الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی وعلمی ترجمان

ماہنامہ

اشرفیہ

مبارکپور

مبارک حسین مصباحی

مارچ ۲۰۰۹ء



عالم اسلام کو عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم مبارک ہو

۷۸۶

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبدالعزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

زیر سرپرستی:

عزیز ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبدالحفیظ صاحب قبلہ سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

ماہنامہ اشرفیہ

مارچ ۲۰۰۹ء

ربیع اول ۱۴۳۰ھ

جلد نمبر ۳۳ شمارہ ۳

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور

اعظم گڑھ یو۔پی۔ ۲۷۶۴۰۴

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur. Azamgarh

(U.P.) India. 276404

قیمت عام شمارہ: 15 روپے

سالانہ: 150 روپے

چیک اور ڈرافٹ

بنام

مدرسہ اشرفیہ

بنوائیں

کوڈ نمبر ——— 05462

دفتر ماہنامہ اشرفیہ ——— 250149

الجامعۃ الاشرفیہ ——— 250092

دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122

سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ

500 روپے

دیگر بیرونی ممالک

$ 20 امریکی ڈالر — 15€ پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org E.mail: info@aljamiatulashrafia.org

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

نگارشات

اداریہ

مرا رفیق، مرے غم کا ترجمان گیا

مبارک حسین مصباحی

آہ! کیا یہ سچ ہے کہ مولانا شکیل احمد مصباحی اب ہمارے درمیان نہیں رہے۔ ہزاروں لوگوں کو ان کی موت کی خبر دے چکا، مگر اپنے دل کو ابھی تک یہ یقین نہیں دلا سکا کہ وہ واقعی دائمی مفارقت دے گئے۔ سطحِ ذہن پر جب بھی ان کا دل آویز نقشہ ابھرتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ اب چل چکے ہوں گے اور اب آ رہے ہوں گے۔ وہ میری صحافتی اور قلمی دنیا کے سب سے بڑے راز دار تھے۔ میں ان کے مشوروں پر اپنے فیصلے بدل دیتا تھا۔ وہ ایک مخلص رفیق و دمساز تھے۔ ان کے بغیر رسالے کا ہر کام ادھورا رہتا تھا۔ وہ میرے فکر و خیال سے اتنے قریب تھے کہ کسی کام کے لیے بس اشارہ کافی ہوتا تھا۔ 12 محرم الحرام 1430ھ/ 10 جنوری 2009ء کو بارہ بجے تک ہم لوگ ماہ نامہ اشرفیہ کے دفتر میں ایک ساتھ تھے۔ آفس سے رخصت ہوتے وقت میں نے کہا، آج رات کو انجمن غوثیہ پرانی بستی میں شہدائے کربلا کے حوالے سے ایک جلسہ ہے، اگر جی چاہے تو آجانا۔ انھوں نے جواب دیا۔ آج کچھ طبیعت علیل ہے، پیٹ میں تکلیف ہے، میرا آنا مشکل ہوگا۔ پھر دوسرے ٹائم گھر پر چپراسی آیا، مولانا شکیل صاحب نے کمپوز شدہ مضامین مانگے ہیں وہ انھیں رات میں پڑھ لیں گے۔ میں نے فائل اس کے حوالے کر دی اور مطمئن ہو گیا۔

قریب دس بجے میں تقریر کرنے کے لیے بیٹھ گیا۔ مولانا محمد نعیم الدین عزیزی جلسہ کی صدارت فرما رہے تھے، پورا مجمع محوِ سماعت تھا۔ میرے فون پر کئی کالیں آئیں مگر دورانِ تقریر میں نے کوئی توجہ نہیں دی۔ ساڑھے دس بجے کے بعد مولانا محمد نعیم الدین عزیزی صاحب میرے قریب آئے اور کہا، تقریر بند کر دیجیے، وجہ دریافت کرنے پر بتایا کہ مولانا شکیل احمد مصباحی کا ساڑھے دس بجے انتقال ہو گیا اور اس وقت وہ اسلامیہ ہاسپٹل میں ہیں۔ میں نے گھبرا کر معلوم کیا، کون مولانا شکیل؟ کہا اپنے مولانا شکیل۔ اتنا سن کر میرے ہوش و حواس اڑ گئے۔ اس کے بعد میں ایک لفظ بھی نہیں بول سکا۔ اسی وقت جلسے میں ان کے لیے دعائے مغفرت کی گئی۔ یہ وحشت ناک خبر سن کر میری حالت غیر ہونے لگی۔ مولانا نعیم الدین عزیزی صاحب نے فرمایا، آپ تھوڑی دیر ہمارے گھر بیٹھیے، میں ہاسپٹل ہو کر آپ کو لینے کے لیے آ رہا ہوں۔ چند منٹ کے بعد وہ مجھے لینے کے لیے آئے۔ جا کر دیکھا تو حواس باختہ ہو گیا۔ وہ ایک بنچ پر دراز تھے۔ شگفتہ چہرہ دیکھ کر لگا کہ کچھ دیر میں اٹھ بیٹھیں گے، مگر آہ! وہ دائمی نیند سو چکے تھے۔ اساتذہ، طلبہ اور اہلِ مبارک پور کا ہجوم تھا۔ مجھ پر ایک سکتہ سا طاری تھا۔ کیا کہوں، کس سے کہوں ہر شخص غم کی تصویر بنا کھڑا تھا اور سرد کہرے کے عالم میں جامعہ سے اساتذہ اور طلبہ کی آمد کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ مولانا کے والد صاحب پوری فیملی کے ساتھ ہزاری باغ جھارکھنڈ میں تھے، وہ وہاں سروس کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا، آپ حضرات مولانا کو ان کے آبائی وطن ایجورا بزرگ ضلع فتح پور لے کر آجائیں، ہم لوگ ابھی یہاں سے نکل رہے ہیں۔ جامعہ کے ناظمِ اعلیٰ الحاج سرفراز احمد صاحب نے گاڑی کا انتظام کیا۔ مولانا ہارون مصباحی فتح پوری، حافظ معین الدین مبارک پوری اور چند علاقائی طلبہ انھیں لے کر ساڑھے بارہ بجے رات کو ان کے وطن روانہ ہو گئے۔ تمام موجود لوگوں نے انھیں اشک بار آنکھوں سے الوداع کہا اور پورا جامعہ غم و اندوہ میں ڈوب گیا۔ پوری رات ایک لمحے کے لیے نیند نہیں آئی۔

موت ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے، مگر جوانی کی موت کا صدمہ اپنوں کے لیے بڑا گہرا اور دیرپا ہوتا ہے۔ مولانا ماہ نامہ اشرفیہ کے نائب مدیر تھے، مگر رسالے کو بروقت لانے اور معیاری بنانے میں مجھ سے زیادہ کوشاں رہتے تھے۔ وہ انتہائی مخلص، محنتی اور دیانت دار تھے۔ ان کی سنجیدہ مزاجی، منکسرانہ خوئی اور اخلاقی بلندی سے پورا جامعہ متاثر تھا۔ ان کی نظر ڈیوٹی کے وقت پر نہیں بلکہ کام کی تکمیل پر رہتی تھی۔ انقلاب 1857ء نمبر کا اعلان کر کے میں خاموش ہو گیا تھا، مگر ان کے پیہم اصرار اور تعاون نے مجھے یہ کامیاب نمبر

نکالنے پر مجبور کیا۔ موت سے دو ایک روز پہلے کہہ رہے تھے، پروفیسر مسعود احمد پر تو بہت کچھ لکھا جا رہا ہے، مگر حضرت علامہ عبد الحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ پر خاص کام سامنے نہیں آیا۔ ان پر اشرفیہ کا ایک وقیع گوشہ آنا چاہیے۔ علامہ اسلم مصباحی بستوی علیہ الرحمہ پر بھی ہم نے گوشہ نکالنے کا ارادہ کیا تھا، بلکہ ان سے متعلق مضامین کی فائل بھی انھوں نے تیار کی تھی کہ کسی مناسب موقع سے ان پر بھی اشرفیہ کا خصوصی گوشہ شائع کریں گے۔ ''فکر امروز، مسائل ومباحث اور بزم دانش'' جو ماہ نامہ کے مستقل کالم ہیں ان کے لیے مسلسل مضامین کی حصولیابی بھی انھیں کی جد و جہد کا نتیجہ ہوتی تھی۔ وہ ارباب قلم سے مسلسل رابطے میں رہتے تھے۔ انتقال سے آدھا گھنٹہ پہلے انھوں نے بزمِ دانش کے مضمون کے لیے مولانا ساجد رضا مصباحی سے رابطہ کیا تھا۔ ان کی اس احساسِ ذمہ داری کو جامعہ کس طرح فراموش کر سکتا ہے۔ ان کے عہد میں ماہ نامہ اشرفیہ کے معیار میں اور مقبولیت میں اضافہ ہوا تھا، یہ مبالغہ نہیں بلکہ اعتراف حقیقت ہے۔

ان کی جدائی کے بعد ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ اچانک ہمارے اوپر غم کی دیوار گر گئی اور ہم ابھی تک اس کے نیچے دبے ہوئے ہیں۔ یہ لفظوں کی بازی گری نہیں بلکہ دل کی آواز ہے کہ مولانا شکیل احمد مصباحی کی رحلت نے ہمیں نڈھال کر کے رکھ دیا ہے۔ جب ان کا تصور آتا ہے تو نہاں خانۂ دل سے ایک ہوک سی اٹھتی ہے۔ جب ہمارا عالم یہ ہے تو ان کے والدین اور بھائی بہنوں کے صدموں کا عالم کیا ہوگا؟

مولانا شکیل احمد مصباحی 15/مارچ 1982ء میں ایجورا بزرگ ضلع فتح پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مقامی مدرسہ میں حاصل کی، پھر دار العلوم امجدیہ رضویہ گھوسی میں داخلہ لیا۔ 15/فروری 1998ء میں جماعت سادسہ میں الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں داخل ہوئے۔ 2000ء میں جامعہ اشرفیہ سے سند فضیلت حاصل کی۔

28/مئی 2005ء کو بہ حیثیت نائب مدیر ماہ نامہ اشرفیہ، جامعہ اشرفیہ میں تقرر ہوا اور امید سے زیادہ اپنی ذمہ داریوں کو نبھایا۔ مولانا شکیل احمد مصباحی ابھی رشتۂ ازدواج میں بھی منسلک نہیں ہوئے تھے، ان کے اخلاص واخلاق نے انھیں مقبولِ خاص وعام بنا دیا تھا۔ ان کے انتقال کی خبر جنگل کی آگ کی طرح جہانِ سنیت میں پھیل گئی۔ ملک کے متعدد اخباروں میں ان کی رحلت کی خبر چھپی، ملک کے گوشے گوشے سے سیکڑوں تعزیتی فون آئے اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ درجنوں مدارس میں ان کے لیے اجتماعی قرآن خوانی اور ایصالِ ثواب کیا گیا۔ تعزیتی نشستوں کی خبریں بھی ملک کے مختلف اردو اور ہندی کے اخبارات میں شائع ہوئیں۔ انگلینڈ سے مولانا فروغ القادری صاحب کا فون آیا اور گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ یہاں علامہ قمر الزماں اعظمی، علامہ ممتاز احمد مصباحی، قاری محمد اسماعیل مصباحی وغیرہ علما نے مولانا شکیل مصباحی کے لیے دعاے مغفرت فرمائی اور اظہارِ غم کیا ہے۔

ہم جامعہ کی جانب سے ان تمام بیرونی حضرات کے شکر گزار ہیں جنھوں نے انفرادی یا اجتماعی طور پر ایصالِ ثواب کیا، اخباروں میں خبریں دیں، فون، فیکس، ڈاک اور ای میل سے تعزیت کی۔

مولانا کے انتقال کے وقت عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ صاحب سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ ممبئی میں تھے۔ جب میں نے صبح میں انھیں یہ اندوہ ناک خبر سنائی تو دعاے مغفرت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا، مجھے اطلاع مل چکی ہے۔ 11/جنوری 2009ء بعد نمازِ ظہر جامعہ اشرفیہ کی عزیز المساجد میں اجتماعی قرآن خوانی ہوئی جس میں اساتذہ، طلبہ اور اراکین ادارہ نے شرکت فرمائی۔ آخر میں تعزیتی پروگرام ہوا، جس میں شیخ الجامعہ صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی، محقق مسائل جدیدہ حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی اور راقم سطور نے اپنے رنج وغم کا اظہار کیا اور ان کے اخلاق وکردار پر روشنی ڈالی اور ان کے لیے دعاے مغفرت کی گئی۔

میں نے کئی بار مولانا شکیل احمد مصباحی علیہ الرحمۃ والرضوان پر لکھنے کے لیے قلم کاغذ سنبھالا، مگر دل ودماغ پر قابو نہ پا سکا اور نہ انگلیوں نے ساتھ دیا۔ چند روز میں مولانا کے تعلق سے اتنی تحریریں آگئیں کہ موجودہ شمارے کا ایک حصہ ''گوشہ مولانا شکیل مصباحی'' کے نام ہو گیا۔ اسی گوشے کے جبری تقاضے کے پیشِ نظر یہ چند سطریں سپردِ قلم کر دیں، ورنہ یہ سطریں نہ تو ان کی خدمات کا اعتراف ہیں اور نہ شکیل رعنا شخصیت کا تعارف۔ مولانا مرحوم پر لکھنا مجھ پر قرض رہے گا۔ آیئے اب ایک بار ہاتھ اٹھا کر دعا کر لیں، مولا تعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے میں مولانا کے درجات کو بلند فرمائے، ان کی مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو بھرپور صبر عطا فرمائے۔ آمین، بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔ ☆☆☆☆☆☆

سزاے موت

مسائل و مباحث

سزاے موت پر عمل درآمد کا طریقہ۔ اسلامی نقطۂ نظر

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ آزاد

یہ سچ ہے کہ آج باضابطہ اسلامی تعزیرات کا نظام کسی ملک میں نافذ نہیں، مگر اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بیش تر ممالک کے آئینی قوانین نے کسی حد تک اسلام کے نظامِ حکمرانی سے استفادہ ضرور کیا ہے۔ امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ حکومت کو ایک آئیڈیل کے طور پر پڑھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بہت سے ممالک کی عدلیہ اور مقننہ میں اسلامی نظامِ شریعت کا انعکاس دیکھا جا سکتا ہے۔ خود ہمارے ملک ہندستان کی پارلیمنٹ میں زانی کی اسی سزا کے نفاذ کا مطالبہ کیا گیا جو اسلامی نقطۂ نظر ہے۔ عرب ممالک میں بھی بڑی حد تک اسلامی قوانین کی روشنی ہی میں عدالتوں کا نظام جاری ہے، اس لیے ضرورت ہے کہ تعزیرات کے تعلق سے بھی واضح اسلامی نقطۂ نظر دنیا کے سامنے آنا چاہیے۔

سزاے موت کا قانون تقریباً دنیا کے تمام ممالک میں جاری ہے، یہ قانون اسلام میں بھی ہے مگر اس کے لیے انتہائی سخت قیود و شرائط ہیں جو اس وقت یہاں موضوعِ بحث نہیں۔ ڈاکٹر غلام مرتضیٰ آزاد نے اپنے پیشِ نظر مقالے میں سزاے موت کے مروج طریقوں اور اس تعلق سے اسلامی نقطۂ نظر کو پیش کیا ہے اور یہ اسلامی نقطۂ نظر بھی ان کی اپنی تحقیق کا نتیجہ ہے۔ انھوں نے عالمی تناظر میں جدید مصنفین سے بھی استفادہ کیا ہے بلکہ غیر اہل سنت کے اقتباسات بھی کوٹ کیے ہیں۔ ہم اپنے علما و مفتیانِ کرام سے پر زور گزارش کرتے ہیں کہ اس مقالے پر اپنے خیالات و تحقیقات کو پیش کریں اور زبانی جمع خرچ کے بجاے آپ کے نزدیک جو صحیح نقطۂ نظر ہو اسے قلم بند کریں تاکہ قارئین استفادہ کر سکیں۔

از مبارک حسین مصباحی

سزاے موت پانے والے بعض قیدیوں کی طرف سے پھانسی کے ذریعہ سزاے موت پر عمل درآمد پر اعتراض کیا گیا ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ پھانسی کے ذریعہ موت کی سزا دینا مجرم کو ذلیل اور رسوا کر کے مارنا ہے۔ ان کے نزدیک انگریزوں نے سزاے موت کا یہ طریقہ اس وقت کے باغیوں کے لیے رائج کیا تھا۔ ان کا مدعا یہ ہے کہ اصل مقصد موت کی سزا دینا ہے، لہذا وہ تجویز کرتے ہیں کہ موت کی نیند سلا دینے والا انجکشن کے ذریعہ سزاے موت دی جائے تاکہ موت کا سزا یافتہ مجرم رسوا نہ ہو۔

اس مضمون کا بنیادی مقصد اسلامی نقطۂ نظر سے اس بات کا جائزہ لینا ہے کہ آیا:

1- پھانسی کے ذریعہ سزاے موت دینا جائز، بالخصوص قتل عمد کے مجرم کو؟ اور اگر یہ جائز نہیں تو--

2- کیا انجکشن کے ذریعہ سزاے موت پر عمل درآمد جائز ہے۔

سزاے موت پر عمل درآمد کے مروج طریقے:-

اس وقت دنیا میں سزاے موت پر عمل درآمد کے پانچ معروف طریقے ہیں:

1- Electrocution یعنی الیکٹرک چیر کے ذریعہ سزاے موت دینا۔ یہ طریقہ ریاست ہاے متحدہ امریکہ کی متعدد

ریاستوں میں مروج ہے۔

2- **Guillotine** جلاد کی مشین کے ذریعے سزائے موت دینا۔ یہ طریقہ فرانس اور بلجیم میں مروج ہے۔

3- **پھانسی:** یہ طریقہ زیادہ تر کامن ویلتھ کے ممالک اور امریکہ کی بعض ریاستوں میں مروج ہے۔

4- **مہلک گیس کے ذریعے ہلاک کرنا:** یہ طریقہ امریکہ کی چند ریاستوں میں مروج ہے۔

5- **گولی مار دینا:** امریکہ کی بعض ریاستوں میں یہ طریقہ بھی مروج ہے۔

پاکستانی قانون میں سزائے موت پر عمل درآمد کا طریقہ:-

مجموعہ تعزیرات پاکستان کی متعدد دفعات مثلاً 121، 132، 194، 295C، 302، 303، 396 میں سزائے موت کا ذکر ہے، لیکن مجموعہ تعزیرات پاکستان میں سزائے موت پر عمل درآمد کا طریقہ بیان نہیں کیا گیا۔

یہ طریقہ مجموعہ ضابطہ فوج داری 1898ء کی دفعہ 368 میں بیان کیا گیا ہے کہ جس شخص کو سزائے موت سنائی گئی ہو اس پر اس طرح عمل درآمد ہوگا کہ "اس شخص کو اس وقت تک گلو بستہ لٹکایا جائے کہ وہ مر جائے۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ سزائے موت خواہ کسی بھی دفعہ/جرم کے تحت دی گئی ہو، سزائے موت پانے والے مجرم کو پھانسی کے ذریعہ ہی دی جائے گی، نہ کہ کسی اور طریقہ سے۔

فقہ اسلامی میں سزائے موت پر عمل درآمد کا طریقہ:-

فقہ اسلامی میں موت کی سزا پر عمل درآمد کے چار ہی طریقے راقم الحروف کے مطالعہ میں آئے ہیں:

1- موت کی سزا کسی ایسے طریقے سے دینا جس میں سزایافتہ کی تذلیل یا تعذیب/ایذا رسانی نہ ہوتی ہو۔

2- قتل عمد کے مجرم کو اس طریقہ سے بطور قصاص قتل کرنا جس طریقہ سے اس نے مقتول کو قتل کیا ہو (بشرطے کہ شریعت میں اس طریقہ کو ممنوع نہ قرار دیا گیا ہو۔ مالکی اور شافعی نقطہ نظر)

3- رجم کے ذریعہ سزائے موت دینا، اور

4- تصلیب (سولی دینے) کے ذریعہ سزائے موت دینا۔

رجم کے ذریعہ موت:-

باوجودے کہ بعض حلقوں کی طرف سے اس پر اعتراض ہے۔ یہ سزا زانی محصن کو دی جاتی ہے۔ (ملاحظہ ہو جرم زنا (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء دفعہ 5(2)(الف) و دفعہ 6(3)(الف)۔

یہی متقدمین فقہا کا نقطہ نظر ہے۔ مولانا حمید الدین فراہی، مولانا امین احسن اصلاحی اور ان کے متبعین کا نقطہ نظر یہ ہے کہ "رجم کی سزا ان غنڈوں اور بدمعاشوں کے لیے ہے جو شریفوں کی عزت و ناموس کے لیے خطرہ بن جائیں، جو اغوا اور زنا کو پیشہ بنا لیں،۔ جو دن دہاڑے لوگوں کی عزت و آبرو پر ڈاکے ڈالیں اور کھلم کھلا زنا بالجبر کے مرتکب ہوں۔"

(ملاحظہ ہو تفسیر تدبر قرآن، تفسیر سورۃ المائدۃ، آیت: 33-34)

مولانا عنایت اللہ سبحانی کا موقف یہ ہے کہ "رجم حد زنا نہیں۔ بلکہ مجرمین، مفسدین اور محاربین کی سزا ہے۔ اس کی حد زنا ہونے پر اجماع کا دعویٰ غلط ہے اور تاریخی حقائق کے خلاف ہے۔ (ملاحظہ ہو حقیقت رجم قرآن و سنت کی روشنی میں، فاران پبلشرز، پشاور، ص: 279)

جناب ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی کے نزدیک رجم کی سزا سورۃ الاحزاب کی آیت 59-62 سے ماخوذ ہے۔ یہ ان زنا کاروں کے لیے ہے جو مدینہ کی گلیوں میں گھومتے پھرتے تھے۔ یہ زنا بالجبر کی تعزیری سزا ہے۔ دوسرے گھناؤنے جرائم میں بھی یہ سزا دی جا سکتی ہے۔

علی علی منصور نے اپنی کتاب "نظام التجریم والعقاب فی الاسلام." (الطبعۃ الاولیٰ 1976، ص: 181) میں رای فقیہ معاصر کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ زیخ ابوزہرہ رجم کی سزا کو نافذ کرنے کے قائل نہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ ممکن ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ سزا تعزیراً دی ہو۔ علی علی منصور کے نزدیک شیخ مصطفیٰ الزرقاء اور شیخ محمود شلتوت، شیخ الازہر کی بھی یہی رائے ہے۔

ابو زہرہ کی کتاب "الجریمۃ والعقوبۃ فی الفقہ اسلامی" سے ان کے بارے میں بیان کردہ موقف کی تائید نہیں ہوتی اور علی علی منصور نے بھی ان کی کسی کتاب یا کسی مقالہ کا حوالہ نہیں دیا۔ شیخ مصطفیٰ الزرقاء نے اپنی مشہور کتاب المدخل میں کہا ہے:

"وحد الزنی ماة جلدة و ھو ما ورد به القرآن ، وقد ورد فی السنة ایضاً رجم الزانی بالحجارة اذا کان محصنا."

ان الفاظ میں اس بات کی وضاحت نہیں کہ آیا رجم حد ہے یا

تعزیری سزا ہے۔

مولانا عمر احمد عثمانی نے البتہ واضح طور پر یہ موقف اختیار کیا ہے کہ رجم کی سزا سورۃ النور کی آیت کریمہ: الزانیة والزانی...... الخ سے منسوخ ہوگئی ہے۔ دراصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی نے تورات کی اس سزا کو منسوخ کر دیا تھا۔ ملاحظہ ہو ان کی کتاب "رجم: اصل حد ہے یا تعزیر"۔

رجم کی سزا ہر محصن زانی کی سزا ہے، یا احصان کی شرط کے قطع نظر زنا بالجبر کی سزا ہے، یا ہر گھناؤنے جرم کی سزا ہے یا تعزیری سزا ہے، اتنا تو بہرحال واضح ہے کہ ماسوائے مولانا عمر احمد عثمانی، علمائے دین کے نزدیک رجم ایک شرعی سزا ہے۔ لیکن اس بارے میں صحیح موقف کیا ہے؟ اس پر بحث کرنا اس مضمون کا مقصود نہیں۔ اس مسئلہ پر متعدد کتابوں میں تفصیلی بحث کی جا چکی ہے۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ بھی سزائے موت کا ایک طریقہ ہے جو مروج رہا ہے۔

تصلیب کے ذریعہ موت کی سزا حرابہ/فساد فی الارض کے جرم میں دی جا سکتی ہے جب کہ مجرم نے مال بھی لوٹا ہو اور قتل کا ارتکاب بھی کیا ہو یا صرف قتل کا ارتکاب کیا ہو جیسا کہ آئندہ تفصیل بیان کی جائے گی، جرائم برخلاف املاک (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء کی دفعہ 17(4)، جو حرابہ سے متعلق ہے، میں صرف موت کی سزا دینے کا ذکر ہے، اس پر عمل درآمد کے طریقے کا ذکر نہیں۔ لہذا ہمارے مروج قانون کے مطابق عملاً یہ سزا بھی پھانسی ہی کے ذریعہ دی جائے گی، جیسا کہ مجموعہ ضابطہ فوج داری کی دفعہ 368 کا تقاضا ہے۔

تصلیب کے جواز کی بنیاد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِکَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ." (المائدۃ: 5/33)

ترجمہ: وہ کہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے اور ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں، ان کا بدلہ یہی ہے کہ گن گن کر قتل کیے جائیں، یا سولی دیے جائیں یا ان کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسرے طرف کے پاؤں کاٹے جائیں، یا زمین سے دور کر دیے جائیں، یہ دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب۔"

(ترجمہ کنز الایمان، ترجمہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی)

"ان لوگوں کی سزا جو اللہ اور رسول سے بغاوت کرتے ہیں اور ملک میں فساد برپا کرنے میں سرگرم ہیں، بس یہ ہے کہ عبرت ناک طور پر قتل کیے جائیں یا سولی پر لٹکائے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں بے ترتیب کاٹ ڈالے جائیں یا ملک سے باہر نکال دیے جائیں۔ یہ ان کے لیے اس دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے عذاب عظیم ہے۔"

(تدبر قرآن، ترجمہ، مولانا امین احسن اصلاحی)

فقہا کے نزدیک آیت کریمہ میں مذکور سزاؤں پر عمل درآمد کی تفصیل جیسا کہ ابن رشد نے بیان کی ہے، حسب ذیل ہے:

امام مالک: اگر باغی/محارب نے قتل کا ارتکاب کیا تو لامحالہ قتل کیا جائے گا اگرچہ امام کو اختیار ہے کہ اس کو مصلوب کرے یا نہ کرے۔ لیکن اگر اس نے مال لیا اور قتل نہ کیا تو امام کو اسے ملک سے باہر نکالنے، یا جیل میں ڈالنے کا اختیار نہیں، البتہ امام کو قتل، سولی دینے یا مخالف اطراف سے ہاتھ پاؤں کاٹنے کا اختیار ہے۔ لیکن اگر صرف راستہ کا خوف پیدا کرے تو امام کو اختیار ہے کہ ان چاروں سزاؤں میں سے کسی ایک پر عمل کرے۔

امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور دیگر علما کی جماعت:
امام کو چاہیے کہ محارب نے جس نوعیت کے جرم کا ارتکاب کیا ہے، اسے اسی نوعیت کی سزا دے۔ یعنی اگر مال لیا، قتل نہ کیا تو اس کے ہاتھ پاؤں کاٹے، قتل کیا تو اسے قتل کیا جائے، جس نے نہ مال لیا نہ قتل کیا اسے زمین سے نکال دے، یا جیل میں ڈال دے۔

بعض دیگر علما: امام کو مطلقاً اختیار ہے، ان میں سے جو سزا مناسب سمجھے دے سکتا ہے۔ "یصلبوا" کا مفہوم۔

علما کا ایک گروہ: مصلوب کیا جائے، یہاں تک کہ بھوک سے مرجائے۔
ایک اور گروہ: ایک ساتھ قتل اور مصلوب کیا جائے۔
بعض کے نزدیک: پہلے قتل کیا جائے، پھر مصلوب کیا جائے۔
بعض کے نزدیک: زندہ مصلوب کیا جائے اور اسی حالت میں اسے قتل کیا جائے۔

(ابن رشد، بدایة المجتهدین، فاران اکیڈمی لاہور، ج:2، ص:341)

حنفی نقطۂ نظر بالخصوص اس بارے میں یہ ہے کہ اگر محاربین نے قتل کیا اور مال نہ لیا تو وہ قتل کیے جائیں گے۔ اگر قتل کیا اور مال بھی لیا تو امام کو اختیار ہے کہ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر انھیں قتل کرے یا انھیں مصلوب کرے۔

مصلوب کیے جانے کی صورت میں محارب کو زندہ سولی پر لٹکایا جائے اور اس کا پیٹ برچھے/ نیزے سے پھاڑ دیا جائے، یہاں تک کہ وہ مرجائے۔ اور وہ تین دن سے زیادہ مصلوب نہ رہے۔ (الهدایہ، اولین: مکتبہ امدادیہ، ملتان، ص:536۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، وہبہ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج:6، ص:138)

عبدالقادر عودہ نے اس بات پر نہایت خوب صورت اضافہ کیا ہے کہ ولی الدم کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ قتل کے مجرم کو اسی طریقے سے قتل کرنے کا مطالبہ کرے جس طریقے سے مجرم نے قتل کیا ہے۔

احناف کے نزدیک، امام احمد بن حنبل سے ایک روایت کی رو سے بھی، قتل عمد کے مجرم کو قصاص میں کسی ایسے طریقے سے قتل کیا جائے جس سے سزا یافتہ کی تعذیب، ایذا رسانی نہ ہوتی ہو۔ یہ نقطۂ نظر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی درج ذیل ہدایات پر مبنی ہے۔

"لا قود الا بالسیف." "(قتل عمد میں) قصاص نہ لیا جائے مگر تلوار کے وار سے۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 2667-2668)

"ان الله کتب الاحسان علی کل شیٔ فاذا قتلتم فاحسنوا القتلة و اذا ذبحتم فاحسنوا الذبح ولیحد احدکم شفرته فلیرح ذبیحة." (صحیح مسلم حدیث نمبر 5055)

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں احسان کا حکم دیا ہے۔ پس جب تم کسی کو بطور سزا قتل کرو تو اسے اچھے طریقے سے قتل کرو، اور جب جانور ذبح کرو تو اسے اچھے طریقے سے ذبح کرو۔ ذبح کرنے والا چھرے کو تیز رکھے اور اپنے ذبیحہ کو تکلیف نہ دے۔

ان ہدایات کے مدنظر عبدالقادر عودہ نے جن کی کتاب "التشریع الجنائی الاسلامی" مسلم ممالک کی عدالتوں میں حوالے کی کتاب سمجھی جاتی ہے، حنفی نقطۂ نظر کو ترجیح دی ہے اور اسی نقطۂ نظر پر عمل ہو رہا ہے۔

عبدالقادر عودہ کی رائے:-

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واضح ارشادات کو سامنے رکھتے ہوئے جناب عبدالقادر عودہ نے اپنی مذکورہ کتاب میں یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ آیا تلوار سے جلدتر جان لینے والے آلہ سے قصاص لیا جاسکتا ہے؟

جناب عودہ نے نہایت صراحت سے کہا ہے کہ قصاص کے لیے تلوار کو ہتھیار کے طور پر اس لیے اختیار کیا گیا تھا کہ یہ مجرم کی جان لینے میں تیز تر تھی، اس سے مجرم کو کم از کم تکلیف ہوتی ہے۔ اگر اس سے تیز آلہ پایا جائے، مثلاً الیکٹرک چیئر یا گلوٹین تو اس کے ذریعہ سزائے موت دینا جائز ہے۔

عودہ کے الفاظ بعینہٖ یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

"هل یجوز الاستیفاء بما هوا سرع من السیف؟

الاصل فی اختیار السیف اداة للقصاص، انه اسرع فی القتل و انه یزهق روح الجانی بایسر ما یمکن من الالم والعذاب، فاذا وجدت اداة اخری اسرع من السیف و اقل ایلاما فلا مانع شرعا من استعمالها، فلا مانع من استیفاء القصاص بالمقصلة، او الکرسی الکهربائی وغیرهما مما یفضی الی الموت بسهولة و اسراع ولا یخلف الموت عنه عادة ولا یترتب علیه تمثیل بالقاتل ولا مضاعفة تعذیبه."

(التشریع الجنائی، ج:2، ص:154، فقرہ 178)

خلاصۂ مبحث اور راقم الحروف کی رائے:-

اسلامی قانون کی رو سے جن جرائم میں رجم کے ذریعہ یا مصلوب کرنے کے ذریعے سزائے موت دینے کی صراحت کی گئی

مسائل و مباحث

ہے ان میں تو اسی طریقہ سے سزائے موت دی جائے گی۔ باقی جرائم میں جب کہ عدالت کی طرف سے سزائے موت دی گئی ہو، بالخصوص قتل عمد کے جرم میں، مجرم کو کسی ایسے آلہ سے قتل کیا جائے گا جس میں اسے بے جا تکلیف یا ایذا رسانی نہ ہو۔

یہ بات البتہ واقعاتی طور پر تحقیق طلب ہے کہ یہ تلوار کے وار سے گردن تن سے جدا کردینے، گلوٹین، جلاد کی مشین، سے ہلاک کرنے، الیکٹرک چیئر کے ذریعے سے جان لینے، گولی مار دینے، گیس کے ذریعے ہلاک کرنے یا پھانسی کے ذریعے جان لینے میں سے کون سا طریقہ ایسا ہے جس میں مجرم کو کم تکلیف ہو۔

کئی سال پہلے بھارت میں ایک کمیشن تشکیل دیا گیا تھا اس بات کا جائزہ لینے کے لیے کہ آیا مؤخر الذکر پانچ طریقوں میں کون سا طریقہ ایسا ہے جس کے ذریعہ کم از کم وقت میں اور مجرم کو کم از کم اذیت دیتے ہوئے اس کی جان لی جاسکے۔ کمیشن طویل تحقیقات کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ ان پانچ طریقوں میں پھانسی کے ذریعہ موت دینا ہی ایسا طریقہ ہے جس میں وقت بھی کم لگتا ہے اور مجرم کو اذیت بھی کم ہوتی ہے۔ لہذا اس میں مزید تحقیق طلب بات صرف یہ ہے کہ تلوار کے ایک وار کے ذریعے گردن تن سے جدا کردینے اور پھانسی کے ذریعے جان لینے میں کون سا طریقہ بہتر ہے؟

جہاں تک انجکشن کے ذریعے سزائے موت دینے کا تعلق ہے تو یہ تجویز کینیڈا میں بھی زیر غور رہ چکی ہے۔ اس طریقے میں ایک قباحت تو یہ ہے کہ یہ کام کسی ڈاکٹر کے ہاتھوں سرانجام پائے گا اور ڈاکٹر بالعموم اس پر رضامند نہ ہوں گے۔ اس لیے کہ یہ ان کے پیشہ وارانہ ضابطۂ اخلاق کے خلاف ہے۔ ایک ڈاکٹر کا کام صحت کی بحالی اور زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے اپنی طرف سے پوری جدوجہد کرنا ہے نہ کہ کسی کو بیمار کرنا یا کسی کی جان لینا۔ پھر یہ کہ اس طریقے میں سزا یافتہ مجرم کی رضا اور رغبت بھی ضروری ہے، بہ صورت دیگر اس کو رسیوں/ بیڑیوں سے جکڑا جائے گا اور اس سے مجرم کو غیر ضروری اذیت ہوگی، جب کہ مقصود یہ ہے کہ مجرم کو کم سے کم اذیت ہو۔

اس طریقہ میں دوسری قباحت یہ ہے کہ اس میں درد اور تکلیف کا عنصر سرے سے موجود نہیں، لہذا یہ سزا کا کوئی مقصد پورا نہیں کرتا۔ جب سے معاشرے میں جرم پر سزا دی گئی ہے، اس وقت سے لے کر آج تک یہ بحث دانش وروں اور ماہرینِ قانون کے درمیان چلی آئی ہے کہ سزا کا مقصد کیا ہے۔ 18ویں اور 19ویں صدی میں اس میں یہ بحث بھی شامل ہوگئی کہ آیا مجرم کو سزا بھی دی جانی چاہیے یا نہیں۔ اطالوی مکتبِ فکر جس کے سرخیل Cesare Lomborso (1836ء-1909ء) ہیں، کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جرم کا ارتکاب کرنے والے شخص یا تو جسمانی طور پر غیر صحت مند ہوتے ہیں یا دماغی طور یا نفسیاتی مریض ہوتے ہیں۔ پھر یہ کہ کسی شخص کے مجرمانہ فعل کی ذمہ داری تنہا اُس شخص پر نہیں ڈالی جا سکتی جسے مجرم کہا جاتا ہے، بلکہ اس میں اس شخص کے طبعی اور معاشرتی ماحول کا بھی بہت زیادہ عمل دخل ہوتا ہے۔ اس نقطۂ نظر کے حامل افراد اب بھی موجود ہیں۔ تاہم قانون کی دنیا میں رائج اور سائد نقطۂ نظر یہی ہے کہ مجرم کو سزا ملنی چاہیے، پھر اس سزا کے مقاصد میں کسی قدر اختلاف ہوا ہے۔ ایک نقطۂ نظر یہ ہے کہ سزا کا مقصد Retribution یعنی جو کیا اس کا بدلہ ہے۔ بہ الفاظ دیگر مجرم کو بہر حال اس کے کیے کی سزا ملنی چاہیے، خواہ اس کا کوئی فائدہ ظاہر ہو یا نہ ہو۔ اس نقطۂ نظر کے حاملین میں سے، ہیگل، کانٹ اور لارڈ ڈیننگ (برطانیہ کے ایک مشہور جج) کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ سزا کا مقصد Deterrence ہے، یعنی مجرم کو آئندہ جرم کے ارتکاب سے روکنا اور دوسرے لوگوں کو سزا کا خوف دلانا ہے تاکہ وہ ارتکابِ جرم سے باز رہیں۔ بینتھام (Bentham) اس نقطۂ نظر کے مشہور حاملین میں سے ہیں۔ تیسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ سزا کا مقصد مجرم کی اصلاح کرنا ہے (Reformation)۔ کم شدت کی نوعیت کے مجرمین جن کو قید یا جرمانے کی سزا دی جاتی ہے ان کے لیے یہ طریقہ تو مفید نتائج کا حامل ہوسکتا ہے، لیکن وہ مجرمین جن کو موت کی سزا دی جاتی ہے، ان کے لیے اصلاح کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

ایک تحریک سزائے موت کے خاتمہ کی بھی چلی تھی اور اس کے نتیجہ میں انگلستان میں Abolition of Death Penality Act 1956 بھی جاری ہوا تھا، لیکن اس کا اطلاق قتل عمد کے جرم پر ہوتا ہے، بعض دیگر جرائم مثلاً بغاوت اور تشدد کے ساتھ ڈاکہ میں سزائے موت پھر بھی برقرار رہی۔ (باقی، ص:25 پر)

فکر امروز

"عالمِ اسلام" صیہونیت کے نرغے میں

ڈاکٹر رضاء الرحمٰن عاکف سنبھلی

مغربی اقوام کی یوں تو شروع ہی سے یہ سازش رہی ہے کہ وہ عالمِ اسلام کے اندر نفاق وافتراق پیدا کرکے اسے کم زور سے کمزور تر کرنے کو اپنا فرض سمجھتے ہیں، اس کے لیے انھوں نے نہایت قبیح وگھناؤنی حرکات کیں، قابلِ نفرت منصوبے بنائے اور ناقابلِ برداشت عمل سرانجام دیے۔ اس سلسلے میں ماضی کی برطانوی سامراجیت ہو یا فرانس وجرمنی کی توسیع پسندانہ عزائم، ڈچ قوم کی آبادیات ہوں یا پھر امریکہ کے استبدادی منصوبے۔ بہر حال ہر ایک پس پشت ایشیائی ممالک بالخصوص اسلامک کنٹریز کو غصب کرنے کا ناپاک منصوبہ رہا۔ ماضی کی طرح آج بھی جب کہ روس کے انحطاط کے بعد امریکہ کے واحد سپر پاور بن جانے کی وجہ سے طاقت کا توازن بگڑ کر رہ گیا، اس نے تو نہ صرف کسی مخصوص خطے یا علاقے کو ہی اپنی جابرانہ سازشوں کا شکار بنایا بلکہ یہ ظالم تو پوری دنیا کو اپنی جاگیر سمجھ بیٹھا ہے اور اس کو ہڑپنے کے لیے پوری طرح بے چین نظر آتا ہے۔ مسلم ممالک کے سلسلے میں تو اس کے عزائم نہایت خطرناک وتباہ کن ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو پہلے ہی ان اقوام کی جبلت میں ملک گیری کی ہوس اور توسیع پسندی کے جراثیم موجود تھے۔ صیہونیت کی ناپاک آمیزش نے اسے اسلام دشمنی اور مسلم کشی کا رنگ اور دے دیا۔ اس لیے آج امریکہ کی نظر میں مسلمان کچھ زیادہ ہی کھٹک رہا ہے اور سامراجیت وصیہونیت دونوں ہی کے نرغے میں عالمِ اسلام اب پوری طرح سے آچکا ہے۔

ماضی کی طرح اسلام دشمن طاقتیں آج بھی اپنی اسی روش پر چل رہی ہیں، لیکن اب چوں کہ طاقت کا توازن امریکہ کے حق میں ہے اور امریکہ صیہونیت کا ایک مضبوط گڑھ ہے، اس لیے اب اس کے ذریعہ جو بھی عمل ہو رہا ہے، اس میں واضح اور یقینی طور پر اسلام دشمنی اور صیہونیت پرستی غالب آرہی ہے۔ اسی لیے اب عالمِ اسلام کے خلاف زبردست تباہ کن اور ہلاکت خیز منصوبے بنائے جارہے ہیں اور اس میں یورپ کے دیگر عیسائی ویہودی ممالک کے ساتھ ہی امریکہ بھی پیش پیش رہتا ہے۔ اور اسلام ومسلمانوں کو کسی بھی طرح کا نقصان پہنچانا، انھیں کم زور کرنا، یہ تو صیہونیت کے بنیادی مقاصد ہیں۔ اسی شیطانی جذبے کی تکمیل کی خاطر ہی تو آج امریکہ نے صیہونیت کے اشارے پر پورے عالمِ اسلام ہی کو اپنے نرغے میں لے رکھا ہے۔ یہ امر بھی توجہ طلب ہے کہ یہ سازشیں تو یورپ کے کسی بھی ملک کے ذریعہ بنائی جاسکتی ہیں، مگر انھیں پایۂ تکمیل تک پہنچانا، انھیں انجام دینا صیہونیت کے سچے علم بردار اسرائیل وامریکہ ہی کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اس لیے اب .C.I.A اور Mosad کی پالیسیوں کے اندر اسلامی ممالک میں خانہ جنگی پیدا کرنا، طوائف الملوکی کی فضا ہموار کرنا، سیاسی بحران پیدا کرنا اور وہاں پر اپنے خونی پنجے گاڑ دینا۔ اسی لیے صیہونیت کے زیر اثر ان ممالک کو مسلم ملکوں کے اندر خلفشار پھیلانے اور عالمِ اسلام کے خلاف محاذ قائم کرنے میں اپنے ناپاک عزائم کی کامیابی نظر آتی ہے۔ اس کے لیے خواہ ان کو کتنے ہی معصوموں کو جیل میں ڈالنا پڑے، کتنے ہی بے گناہوں کو تختۂ دار تک پہنچانا پڑے، یا پھر کتنے ہی مظلوموں کو سخت صعوبتوں اور جسمانی وذہنی تکالیف سے گزارنا پڑے۔ انھیں تو مسلمانوں کو ایذا پہنچانے اور عالمِ اسلام کے استحصال کرنے میں ایک خاص لطف آتا ہے۔ اسی لیے تو ان کی نظر میں ہر گناہ، ثواب، ہر عیب، ہنر اور ہر فعل روا ہے۔

بات صرف آج کی ہی نہیں بلکہ ماضی میں بھی یورپ نے عالمِ اسلام کے خلاف بڑی خطرناک سازشیں کی ہیں۔ عیسائیوں نے بڑے بڑے مظالم ڈھائے ہیں، یہودیوں نے احسان فراموشی کی مثالیں قائم کی ہیں۔ یہ تو ان کا تاریخی وطیرہ ہے، مگر اس وقت صیہونیت کے زیر اثر جو خطرناک ومذموم سازشیں یہ طاقتیں مسلمانوں کے خلاف رچ رہی ہیں، ان سے نہ صرف اہلِ حق بلکہ پوری عالمِ انسانیت شرم سار ہے۔

ڈائریکٹر ادارہ صدائے حق، علامہ اقبال اسٹریٹ، میاں سرائے، سنبھل

جیسا کہ پہلے بھی تحریر کیا جاچکا ہے کہ صیہونیت مسلمانوں کے خلاف یہود ونصاریٰ کی بڑی ہی منظم وخطرناک تحریک ہے اور اس کا اصل محرک امریکہ ہی ہے۔ اس لیے آج عالمِ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف امریکہ جو کچھ بھی تباہ کن سازشیں بنا رہا ہے وہ سب صیہونیت ہی کا پلان ہے۔ عصر حاضر میں جس طرح مسلمان تفریق وانتشار کا شکار ہے اور باہم ایک دوسرے کے خلاف دست بہ گریباں ہے، یہ سب بھی صیہونیت ہی کی سازش ہے۔ آج مسلم ممالک میں جو طوائف الملوکی اور سیاسی عدم استحکام کے حالات ہیں، یہ سب بھی صیہونیت ہی کی پلاننگ ہے۔ یہ ظالم اسلام کو نقصان پہنچانے اور مسلمانوں کو کم زور کرنے کے لیے ہی تو اس طرح کی شرم ناک پالیسیاں بناتے ہیں۔ یہ لوگ سازشیں اس قدر مضبوط اور سوچے سمجھے طریقے پر بناتے ہیں جو کسی نہ کسی طرح کامیاب ہو ہی جاتی ہیں۔ ان کا ہر تیر نشانہ پر بیٹھتا ہے۔ انھوں نے ایشیا کے اندر افغانوں اور عربوں میں عراق کو اپنی کرگسی چالوں میں اس لیے پھانسا کیوں کہ انھیں معلوم تھا کہ یہ دونوں ممالک ہی غیور اور جری ممالک ہیں۔ اور جب تک یہاں اسلام پسندوں کا اقتدار ہے تب تک صیہونیت اپنے اسلام دشمن، ناپاک وخطرناک عزائم کو پوری طرح پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچا سکتی۔ اس لیے ان ظالموں نے افغانستان کے طالبان اقتدار اور عراق کے صدام حسین کی حکومتوں کا تختہ پلٹ دیا۔ اس طرح اپنی دانست میں انھوں نے عالمِ اسلام میں صیہونیت کے خونی پنجے گاڑ دینے کا راستہ صاف کرلیا۔

اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی ان ظالموں نے چین کا سانس نہ لیا اور صیہونیت کے زیر اشارہ مسلمانوں کو پوری طرح برباد کر ڈالنے کے ارادے سے ہی اسامہ بن لادن کا ہوا کھڑا کر دیا۔ اور "القاعدہ" کی نام نہاد جنگی پالیسیوں کا خود ساختہ بہانہ بنا کر مسلمان ممالک پر عسکری وسیاسی حملے شروع کر دیے۔ اس طرح صیہونیت کے پلان کو انجام دینے کے ارادے سے ہی امریکہ نے ایک اور خونی ڈرامہ رچا، جس کے تحت 11 ستمبر 2001 کو واشنگٹن میں یہودیوں کے ذریعہ .W.T.C پر زبردست اٹیک کرایا۔ اور اس کا الزام ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت مسلمانوں پر رکھ دیا تاکہ اس طرح مسلمانوں کی بیخ کنی اور اسلام کو نیست و نابود کرکے صیہونیت کو عالم گیر پیمانہ پر توسیع دینے کا ابلیسی خواب شرمندۂ تعبیر کیا جاسکے۔ اس طرح ان ظالموں نے مسلمانوں کو دنیا کی نظر میں امن دشمن، دہشت گرد ثابت کرنے کی مذموم حرکت کی اور دنیا کے سب سے بڑے غاصب، امن دشمن، انسانیت کا بدنما داغ، خطرناک مجرم، اور محسنوں ومعصوموں کا قاتل اسرائیل کو نظر انداز کرتے ہوئے بے گناہ عربوں اور مجبور وبے بس فلسطینیوں کو ان ہی کی سرزمین سے بے دخل کر دینے کا گناہ کیا۔ یہ بھی صیہونیت کی ہی اسکیم ہے۔ جس کے مطابق فلسطینیوں سے ان کی زمین چھینی گئی، انھیں بے گھر کیا گیا، اور صیہونیت کی تکمیل وتوسیع کی خاطر فلسطینیوں کی سرزمین پر عالمِ اسلام کے سینے کے اندر ایک غیر قانونی صیہونی سامراجی ریاست اسرائیل کو وجود بخشا گیا۔ جو آئے دن معصوم فلسطینیوں کو تشدد ومظالم کا نشانہ بناتا رہتا ہے۔ ان کے علاقوں پر زبردست فوجی حملے کرتا ہے، نہتے شہریوں پر آتش وآہن کی شدید بارش کرتا ہے۔ اسکولوں، اسپتالوں اور مسجدوں پر بم باری کرتا ہے، جن کا شرم ناک نمونہ غزہ پر اسرائیل کی موجودہ یلغار ہے۔ جس نے یہودی صیہونیت کا اصل چہرہ دنیا کے سامنے ظاہر کر دیا ہے۔

خاک وخون میں ڈوبی ہوئی یہ داستان دل خراش بھی ہے اور لرزہ خیز بھی۔ اس کہانی میں یورپ کی مکاریاں بھی ہیں اور صیہونیت کی عیاریاں بھی۔ سامراجیت کے توسیع پسندانہ عزائم بھی ہیں اور یہود ونصاریٰ کی اسلام دشمنی بھی۔ حالات کچھ بھی رہے ہوں مگر آج جس طرح صیہونیت غلبہ حاصل کرتی جارہی ہے، مکار اسرائیل طاقت ور سے طاقت ور ہوتا جارہا ہے، اس سے اسلام پسندوں کی بے چینی اور فکر مندی یقینی طور پر ایک فطری امر ہے۔

اس لیے ان تمام حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے آج وقت کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان متحد ہوں، آپس میں اتحاد پیدا کریں اور صیہونیت کے خطرناک عزائم کو سمجھیں اور پھر ان مسائل کے سد باب کے لیے پوری طرح سنجیدہ ہوں، ورنہ خدانہ کرے کہیں ایسا نہ ہو کہ ظالم صیہونیت عالمِ اسلام کو پوری طرح نیست ونابود کرتے ہوئے اپنے شیطانی عزائم میں کامیاب ہو جائے اور عالمِ اسلام کے سینے میں اسرائیل کی جگہ "گریٹ اسرائیل" کا ناپاک وجود قائم کر دیا جائے۔ ☆☆☆☆

مسند الھند شاہ ولی اللہ کی ایک اہم تصنیف

شرح تراجم أبواب البخاری

ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی

ابن خلدون (م 808ھ/1406ء) نے لکھا ہے کہ: بخاری کی احادیث کی ان کے تراجم ابواب سے مطابقت امت مسلمہ پر امام بخاری کا ایک قرض ہے۔ ابن خلدون کا یہ تبصرہ اگر ایک طرف تراجم ابواب البخاری کی قدر و منزلت اور اس میں پوشیدہ بے شمار علمی فوائد و دقائق کی نشاندہی کرتا ہے، تو دوسری طرف اس امر کا بھی غماز ہے کہ کم از کم ابن خلدون کے عہد تک مومنین امیر المومنین فی الحدیث کے اس قرض سے عہد برآ نہیں ہو سکے تھے۔

امام بخاری (194-256ھ/810-869ء) نے اپنی الجامع الصحیح کی صحت وثقاہت کے ساتھ ساتھ اس کی تبویب و تقسیم اور ابواب کے تراجم کے انتخاب کا خاص اہتمام کیا ہے۔ کتاب کا آغاز "إنما الأعمال بالنيات" سے فرما کر اپنے حسن نیت اور سلامتِ مقصد کی طرف اشارہ فرمادیا؛ یا حسن نیت اور سلامت مقصد کی اہمیت وضرورت کے پیش نظر اس حدیث سے اپنی کتاب کا افتتاح کیا۔ پوری کتاب میں ابواب کی ترتیب اعلیٰ درجے کی مقصدیت کی حامل ہے۔ بدء الوحی سے کتاب کی ابتداء کی کیونکہ دین کی ابتداء وحی سے ہی ہے، پھر ابواب ایمان کا ذکر کیا کیونکہ وہ دین کی بنیاد ہے، پھر ابواب علم کا بیان فرمایا کیونکہ علم آلۂ دین کی حیثیت رکھتا ہے، اور اسی طرح تمام ابواب۔ اور اپنی کتاب کا اختتام ابواب توحید سے کیا کیونکہ ظاہر و باطن کی اصلاح اسی سے ہے۔

بخاری شریف کے تراجم ابواب صرف ضمنی عناوین کی حیثیت نہیں رکھتے ہیں جو بطور فواصل اور معمولی قسم کی توضیحات کے لئے استعمال ہوتے ہیں بلکہ علمائے امت کا اجماع ہے کہ یہ احترازی نوعیت کے حامل ہیں اور امام بخاری کے فقاہت کی دلیل، اور ان کے علمی مسلک کے ترجمان ہیں۔ چونکہ امام بخاری کسی مخصوص فقہی مسلک سے متعلق نہیں تھے بلکہ خود مجتہد تھے لہٰذا ان تراجم کا مصداق ومدلول متعین کرنے میں خاص دشواری پیش آتی ہے۔ رہی ان کی شافعیت کی بات تو یہ شوافع کے حسنِ ظن سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ بعض مسائل میں امام شافعی سے ان کی موافقت محض اتفاق ہے جیسے رفع اليدين، والجهر بالتامين وغیرہ۔ ورنہ انھوں نے بے شمار مسائل میں امام شافعی کی رائے کے خلاف رائے کو اختیار کیا ہے، جیسے: وضو عند القبلة، ومس الذكر ومس المرأة، والقلتين، والجهر بالبسملة، وتثليث الماء لمسح الراس، وطهارة المنى، وقيام المأموم بحذاء الامام وغیرہ بعض ایسے مسائل ہیں جن میں امام بخاری نے امام شافعی کی مخالفت کی ہے، بلکہ تحقیقی امر یہ ہے موافقته للإمام الأعظم ليس بأقل مما وافق فيه الشافعي، اور اسی طرح حمیدی کی شاگردی کی بنیاد پر انھیں حنفیوں میں شمار کرنا بھی خوش گمانی سے زیادہ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان تراجم کے مقاصد کی تعیین وتحدید، ان کے اغراض کی تشریح و توضیح اور تراجم و احادیث کے درمیان توفیق وتلفیق علم حدیث کے مہمات میں سے شمار ہوتا ہے۔ بے شمار علماء ومحدثین نے ان تراجم کے مقصود ومدلول کی تعیین وتوضیح میں اپنی علمی کاوشیں صرف کیں۔ تمام شارحین بخاری نے ان تراجم پر خصوصی توجہ دی اور بہت سے علماء نے اس موضوع پر مستقل کتابیں اور رسائل تصنیف کئے، ان میں ناصر الدین ابن منیر اسکندرانی کی "المتواری علی تراجم البخاری"، ابوعبداللہ محمد بن عمر الفہری المتوفی 721ھ کی "ترجمان التراجم"، ابوعبداللہ محمد بن منصور المغراوی السجلماسی کی تصنیف "حل الأغراض المبهمة فی الجمع بين الحديث والترجمة" وغیرہ مشہور تصنیفات ہیں۔ صاحب بستان المحدثین نے بدر الدین محمد الدمامینی المتوفی 828ھ کی ایک کتاب "تعليق المصابيح على أبواب الجامع الصحيح" کا تذکرہ کیا ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے یہ بھی کہا ہے دمامینی نے یہ کتاب سلطان احمد شاہ گجراتی کے لئے لکھی تھی، لیکن کشف الظنون کے مطابق "مصابيح الجامع" کے آخر میں

شعبۂ عربی، مولانا آزاد نیشنل یونیورسٹی، حیدر آباد

ہے کہ اس کی تکمیل زبید یمن میں ہوئی ہے اور اس کو حاجی خلیفہ نے شروح بخاری میں شمار کیا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ مصابیح اور تعلیق المصابیح دو الگ الگ تصنیفات ہوں اول الذکر تراجم بخاری کی شرح میں جو ہندوستان میں لکھی ہو، اور ثانی الذکر بخاری کی شرح ہو جسے یمن میں لکھا ہو، یا وہاں اس کی تکمیل کی ہو۔ اس لئے کہ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ دمامینی نے احمد آباد میں اپنے طویل قیام کے دوران سلطان احمد شاہ کے لئے کئی کتابیں تصنیف کی تھیں۔ جیسے "تحفة الغريب شرح معنى اللبيب، شرح الوافى اور مختصر حياة الحيوان الكبرى" وغیرہ۔ بہرکیف اگر "تعليق المصابيح" ہندوستان میں تصنیف نہیں کی گئی تو اس موضوع پر پہلی مستقل ہندوستانی تصنیف مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب "شرح تراجم أبواب البخاری" ہے، اگرچہ ہندوستان کے تمام شارحین بخاری نے - اپنے عرب نظرا کی طرح - اس موضوع پر کچھ نہ کچھ خامہ فرسائی کی ہے۔

شرح ابواب تراجم البخاری حضرت شاہ صاحب کی ایک معرکۃ الآراء اور مہتم بالشان تصنیف ہے۔ قاسمی صاحب کے مطابق شاہ صاحب نے اس کی تصنیف 1145-46ھ/ 1732-33ء میں فرمائی۔ کتاب متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔ اصح المطابع دہلی اور مطبع نور الانوار کے نسخوں میں تاریخ طبع موجود نہیں ہے۔ دائرة المعارف العثمانية حیدر آباد سے کتاب تین بار شائع ہوئی ہے۔ پہلی بار 1323ھ/1905ء میں، تیسری بار 1368/ 1969ء میں۔

کتاب کے ان مطبوعہ نسخوں اور فکر و آثار ولی اللّہی سے متعلق کتابوں میں اس کا نام "شرح تراجم ابواب البخاری" یا "رسالہ شرح تراجم ابواب صحيح البخاری" ملتا ہے، جس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے اس تصنیف میں بخاری کے تمام تراجم ابواب کو شامل کیا ہے، جبکہ واقعہ اس کے برخلاف ہے۔ حضرت شاہ نے بخاری شریف کے چھہتر کتابوں میں سے صرف چھبیس کتاب کے 378 ابواب کے تراجم کی شرح لکھی ہے۔ جب کہ بخاری شریف کے جملہ ابواب کی تعداد 3655 ہے یعنی شاہ صاحب نے جن ابواب کے تراجم کی شرح لکھی ہے وہ کل ابواب کا تقریباً دسواں حصہ ہے۔ لہٰذا اگر کتاب کا نام شرح تراجم بعض ابواب البخاری ہوتا تو زیادہ مناسب ہوتا۔ اور مجھے خیال ہو رہا ہے کہ میں نے کسی کتاب میں اس کا یہ نام دیکھا بھی ہے، لیکن ابھی ذہن اس مصدر کی نشاندہی سے قاصر ہے۔ واضح رہے کہ بخاری کے بہت سے ابواب بغیر تراجم کے ہیں لیکن پھر بھی ان کی تعداد اتنی نہیں ہے جو مذکور نسبت پر کچھ زیادہ اثر ڈال سکیں۔ شاہ صاحب نے کچھ ایسی کتابوں کا بھی ذکر کیا ہے جو بخاری میں موجود نہیں ہے جیسے كتاب صلوة الخوف، كتاب العيدين، كتاب ماجاء فی الوتر، كتاب سجود القرآن، كتاب التهجد اور كتاب الرد على الجهمية۔ دراصل اول الذکر پانچ کتابیں کتاب الجمعہ کے تحت اور آخر الذکر کتاب التوحید میں ابواب کے عنوان سے شامل ہیں۔

تو کیا شاہ صاحب کا یہ عمل ناقص ہے؟ اور امام بخاری کا قرض امت پر آج بھی باقی ہے؟ علاوہ ازیں یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے اس کام کو ناقص کیوں چھوڑا، بظاہر ایسا کوئی مانع بھی نہیں تھا۔ شاہ صاحب نے اپنی وفات کے تیس سال پہلے اس کام کو مکمل کیا۔ یہ ان کی زندگی کا وہ عہد ہے جس میں شاہ صاحب پوری طرح سے تصنیف وتالیف کے لئے وقف تھے، اور ان سب سے بڑھ کر اس کام کے بظاہر نامکمل ہونے کے باوجود شاہ صاحب نے اپنے مقدمہ میں اشارۃً وکنایۃً بھی کچھ ایسا نہیں لکھا جس سے یہ پتہ چلے کہ ان کا یہ کام نامکمل ہے یا انھوں نے صرف بعض تراجم کی شرح پر اکتفا کیا ہے۔

اس قضیے کے حل کے لئے جب میں فتح الباری کی ورق گردانی کی تو یہ عجیب وغریب عقدہ کھلا کہ امام ابن حجر نے بخاری شریف کے جن تراجم ابواب کی باقاعدہ شرح لکھی ہے ان کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہے بلکہ شاہ صاحب کی اس مختصر تصنیف سے بھی کہیں کم ہے۔ یہاں دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے اول یہ کہ امام ابن حجر نے جن تراجم ابواب کی محض لغوی ونحوی شرح کی ہے میں نے انھیں شامل نہیں کیا اور "باقاعدہ شرح" سے میری یہی مراد ہے اور دوئم یہ کہ فتح الباری کا میرا یہ مطالعہ استقراء ناقص کے طور پر تھا میں نے اس کی ابتداء، درمیان اور آخر کے صرف چند کتابوں کے ابواب کو دیکھنے پر اکتفا کیا ہے۔ اور ان ابواب میں میں نے پایا کہ شاہ صاحب نے امام ابن حجر کے مقابلے میں کہیں زیادہ تراجم کی شرح کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شاہ صاحب نے بخاری کے انھیں تراجم ابواب کی شرح فرمائی ہے جو ان کے نزدیک قیود احترازیہ پر مشتمل تھیں، یا جن سے امام بخاری نے مسائل کا استنباط کیا ہے، یا جو ان کے کسی فقہی یا کلامی مسلک کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اور وہ تراجم جو صرف عنوان

باب کی حیثیت رکھتے ہیں شاہ صاحب نے ان سے تعرض نہیں کیا اور نہ یہ ان کا مطلوب تھا۔ اور یہ بات ہرگز معقول و مقبول نہیں ہوسکتی کہ بخاری کا ہر ترجمہ باب احتراز کے لئے ہو، جب کہ الجامع الصحیح کی تدوین وتالیف کا یہ بنیادی مقصد بھی نہیں تھا۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ شاہ صاحب کی یہ تصنیف اپنے موضوع پر ایک مکمل تصنیف ہے۔ اس کے مکمل ہونے کی ایک داخلی شہادت یہ بھی ہے شاہ صاحب کی یہ تصنیف بخاری کی پہلی کتاب کتاب الایمان سے لے کر اس کی آخری کتاب کتاب التوحید تک پر مشتمل ہے۔

اگر شاہ صاحب کو اپنا یہ عمل ناقص ونامکمل رکھنا ہوتا تو اس شمول واحاطہ کے بجائے ایک طرف سے چند یا چند سو ابواب کی شرح فرمادیتے۔ جیسا کہ دوسرے مصنفین نے کیا ہے۔ چنانچہ شیخ سجلماسی نے اپنی کتاب "حل الأغراض المبهمة فی الجمع بین الحدیث والترجمة" میں صرف ابتدائی سو تراجم ابواب کی شرح کی ہے یا شیخ ابو عبد اللہ محمد بن عمر الفہری السبتی نے "ترجمان التراجم" میں کتاب الصیام تک کے تراجم ابواب کی شرح کی ہے۔

مقدمہ کتاب میں شاہ صاحب نے سب سے پہلے اپنے اس مشہور موقف کو دہرایا ہے، جس کا ذکر وہ مسوی، مصفی اور حجۃ وغیرہ میں بار بار کر چکے یعنی بخاری نے اپنی کتاب کی بنیاد مؤطا امام مالک پر ڈالی۔ البتہ یہاں مؤطا کے ساتھ کچھ اور کتابوں کو اس امر میں شریک کردیا ہے، فرماتے ہیں کہ:

"أول ماصنف أهل الحديث فی علم الحديث جعلوه مدونا فی أربعة فنون: فن السنة أعنی الذی يقال له الفقه مثل مؤطا مالک وجامع سفيان، وفن التفسير مثل كتاب ابن جريح، وفن السير مثل كتاب محمد بن إسحاق، وفن الزهد والرقاق مثل كتاب ابن المبارک فأراد البخاری رحمه الله أن يجمع الفنون الأربعة فی كتاب ويجرده لما حكم له العلماء بالصحة قبل البخاری وفی زمانه، ويجرده للحديث المرفوع المسند. ومافيه من الآثار وغيرها إنما جاء به تبعا لا بإصالة ولهذا سمی كتابه بالجامع الصحيح المسند."

اس عبارت سے صاف واضح ہے کہ امام بخاری نے تمام مصنفین کی طرح اپنے ماقبل کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے، اور اس میں مؤطا کو کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ بخاری ایک مستقل بالذات تصنیف ہے، اسے مؤطا کی شرح یا امتداد محض قرار نہیں دیا جاسکتا، بلکہ اپنی صحت وثقاہت، حسن ترتیب وتالیف اور استنباط مسائل میں ان کتابوں سے بدرجہا بہتر ہے جن سے امام بخاری نے استفادہ کیا ہے۔ خود شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ "هذا أمر لم يسبق إليه غيره"۔

اس کے بعد شاہ صاحب نے ان اصول کا ذکر کیا ہے جن کی روشنی میں ان تراجم کا مقصود ومدعا سمجھا جاسکتا ہے۔ شاہ صاحب کے دس نکاتی اصول نہایت جامع ہیں ان میں سے بعض کئی کئی اصلوں پر مشتمل ہیں، مثلاً امام بخاری ترجمے میں ایسی حدیث مرفوع ذکر کرتے ہیں جو ان کے شرط کے مطابق نہیں، پھر باب میں اپنی شرط کے مطابق اس کے لئے شاہد لاتے ہیں یہ بہت شائع اصل ہے اس کی مثال "باب الأمراء من قريش" ہے لیکن بخاری نے اس کے تحت جو حدیث ذکر کی ہے وہ ہے "لايزال هذا الأمر فی قريش مابقی منهم اثنان" یعنی جس حدیث مرفوع کو ترجمہ باب بنایا، اس کے بجائے دوسری حدیث کو ذکر کیا۔ اسی طرح بقیہ تمام اصول۔

ان اصول عشرہ کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ان تراجم میں سے اکثر عبد الرزاق اور ابن ابی شیبہ کے تراجم کے تعقبات ہیں۔ شاہ صاحب کے فرمودات کو اگر فتح الباری کے شروح تراجم سے موازنہ کیا جائے تو واضح ہوتا ہے، شاہ صاحب نے فتح سے استفادہ تو ضرور کیا ہے، لیکن وہ ان تراجم کے مقصود ومدلول کو متعین کرنے میں اور تراجم واحادیث میں تطبیق دینے میں امام ابن حجر سے زیادہ کامیاب رہے ہیں۔ مثلاً "باب كيف كان بدء الوحی" کی شرح میں لکھتے ہیں: مقصود اصلی وحی کا اثبات ہے اور یہاں وحی سے مراد وہ وحی ہے جو نفس حدیث وکلام ہے اور بدء الوحی کا مطلب مبدأ الوحی ہے اور اس طرح "كيف كان بدء الوحی" کا مطلب یہ ہوا کہ: "كيف كان مبدأ ماروی عنه صلى الله عليه وسلم" یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ مروی ہے اس کے مبدأ کی کیفیت کیا ہے، اور پھر احادیث باب کے ذریعے ثابت کیا کہ یہ مبدأ وحی اور فرشتے کا توسط تھا یعنی ہم ان احادیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا، انھوں نے جبریل علیہ السلام سے، اور انھوں نے اللہ تعالیٰ سے۔ اور

اس طرح یہ اعتراض خود بخود اٹھ گیا کہ وحی کی کیفیت کا ذکر صرف ایک حدیث میں ہے بقیہ پانچ حدیثیں ترجمہ باب سے مطابق نہیں ہیں۔

متکلمین ومحققین کے نزدیک ایمان صرف تصدیق کا نام ہے، لیکن محدثین عمل کو بھی ایمان کا جز مانتے ہیں۔ شاہ صاحب بخاری کے ان تمام تراجم کو جن میں مختلف اعمال کو ایمان کا حصہ قرار دیا گیا ہے، قیود احتراز یہ مانتے ہیں۔ لہذا کتاب الایمان میں شروع ہی میں اس قضیہ کو اٹھایا اور اس کا ایک ایسا حل پیش فرمایا جو تمام مسائل کو ختم کردیتا ہے اور حقیقت ومجاز کا سہارا لئے بغیر فرماتے ہیں کہ ایمان دو ہیں یعنی ایمان کا اطلاق دو معنوں پر ہوتا ہے اور دونوں حقیقت پر مبنی ہیں۔ پہلا ایمان انقیاد اور دوسرا ایمان حقیقت اور ان میں سے کوئی مجازی اطلاق نہیں ہے۔ مثلاً کمزور وضعیف آدمی کو بھی آدمی کہا جاتا ہے من غیر مجاز حقیقی طور پر، اور اس آدمی کو بھی حقیقی معنوں میں آدمی کہا جاتا ہے جو جملہ انسانی کمالات کا جامع ہو۔

شاہ صاحب نے بہت سے تراجم کی شروح میں متقدمین سے موافقت کی ہے۔ جیسے: باب حب الرسول من الإيمان، باب من الدين الفرار من الفتن، باب من كره أن يعود فی الكفر، باب علامة المنافق، باب من سئل علما وهو مشغول فی حديثه وغیرہ، میں شاہ صاحب کی شرح ابن حجر کی شرح سے ملتی جلتی ہے، لیکن بایں ہمہ ان میں سے ہر ایک میں شاہ صاحب نے کوئی نہ کوئی ایسا اضافی نکتہ بیان کیا ہے جو فتح الباری میں نہیں ہے۔ اور اکثر شاہ صاحب کا یہی نکتہ بنیادی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ مثلاً باب: من سئل علما وهو مشتغل فی حديثه کے ضمن میں ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس میں عالم وطالب علم کے ادب کو بتایا گیا ہے عالم کا ادب یہ ہے کہ ایسے سائل کو ڈانٹے نہیں بلکہ اس سے اعراض کرے حتی کہ اپنی گفتگو مکمل کرلے اور طالب کا ادب یہ ہے کہ اگر کوئی گفتگو میں مشغول ہو تو اس سے سوال نہ کرے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس ترجمے کی اصل غرض یہ ہے کہ اگر کوئی گفتگو میں مشغول ہو اور سائل کو فوری جواب نہ دے تو یہ کتمان علم میں نہیں۔ ظاہر ہے کہ شاہ صاحب کی یہ تطبیق ابن حجر کی تطبیق سے اولیٰ اور کہیں زیادہ معنی خیز ہے۔

علامہ ابن حجر اور سابقین نے بخاری کے بے شمار تراجم سے کوئی تعرض نہیں کیا ہے لیکن ان تراجم کی شرح بھی ہمیں شاہ صاحب کے اس رسالے میں ملتی ہے۔ اس کی ایک مثال باب من رفع صوته بالعلم ہے۔

اس رسالے کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بعض ایسے تراجم ابواب کی بھی شرح ملتی ہے جن کے بارے میں محدثین کا عام خیال ہے کہ: ان تراجم کی احادیث ابواب سے تطبیق ناممکن نہیں تو متعذر ضرور ہے۔ اس کی ایک مثال: باب إذا فاته العيد يصلی ركعتين، وكذلک النساء ومن كان فی البيوت والقرى۔ اس کے تحت ایک حدیث ذکر کی ہے کہ:

"عن عائشة أن أبا بكر رضی الله عنه دخل عليها وعندها جاريتان فی أيام مِنى تُدفِّفانِ وتضربان والنبی صلى الله عليه وسلم متغشٍّ بثوبه فانتهرهما أبو بكر فكشف النبی صلى الله عليه وسلم عن وجهه فقال دعهما يا أبابكر فإنها أيام عيد وتلک الأيام أيام مِنى الخ."

علما فرماتے ہیں کہ اس حدیث اور اس کے ترجمۂ باب میں مطابقت ممکن نہیں کیونکہ دونوں میں کوئی ربط نہیں ہے، لیکن شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ امام بخاری کا ترجمۂ باب میں یہ کہنا کہ اگر کسی کی عید کی جماعت چھوٹ جائے تو وہ دو رکعت تنہا پڑھ لے، مرد ہو یا عورت، شہری ہو یا دیہاتی۔ اور حدیث عائشہ مذکور سے بخاری کا وجہ استدلال اللہ کے رسول کا یہ فرمان ہے "فإنها أيام عيد" یہ فرمان بغیر کسی قید کے ہے یعنی عید منانا آج کے دن کا حق ہے اور یہ حق مرد وعورت آزاد وغلام اور مدرک جماعت اور فائت جماعت سب کو بلا استثناء حاصل ہے، اور ترجمۂ باب اور حدیث میں یہی وجہ تطبیق بھی ہے۔

اس طرح شاہ صاحب کی یہ کتاب ان کی عبقریت کی دلیل اور حدیث رسول میں ان کی بالغ نظری کی سند ہے اور فہم وتفہیم بخاری کے لئے ایک ناگزیر ضرورت بھی ہے۔ اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس مختصر لیکن جامع تصنیف کے ذریعے حضرت شاہ صاحب نے امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ کے قرض کو بڑی حد تک ادا فرمادیا۔ لیکن خود شاہ ولی اللہ کا ایک قرض اسلامیان ہند پر ہے اور وہ قرض ہے ان کی فکر، اور ان کے مسلک ومشرب کی تنفیذ وتطبیق۔ بخاری کا قرض شاہ صاحب نے ادا کیا ہے، دیکھنا یہ ہے کہ شاہ صاحب کا یہ قرض کب کیسے اور کس کے ذریعے ادا ہوتا ہے۔

لعل الله أن يحدث بعد ذلک أمرا۔ ☆☆☆

طریقۂ زندگی

اسلام میں حقوق العباد کی اہمیت

اسلام ہے کل عالم اسباب کا مذہب

مولانا محمد انور نظامی مصباحی

اسلام دین فطرت ہے۔ یہ بشری تقاضوں کی تکمیل کا ضامن ہے۔ مذہب اسلام صرف عابد و معبود کے درمیان تعلقات ہی کی رہنمائی نہیں کرتا بلکہ یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو انسانی تعلقات اور معاشرتی روابط کے لیے رہنما اصول پیش کرتا ہے۔ اسلام صرف عبادت وریاضت کا نام نہیں بلکہ انسانی زندگی کے مکمل دستور العمل کا نام ہے۔ عبادات اسلامی قوانین کا محض ایک چوتھائی حصہ ہیں باقی تین چوتھائی حصے حیات انسانی کے ان گوشوں کی رہنمائی کے لیے مختص ہیں جو بہ حیثیت انسان کسی بھی فرد بشر کی معاشرتی وتہذیبی ضرورتوں کی عقدہ کشائی کرتے ہیں۔ اسلام نے انسانوں کو تجرد ورہبانیت اور ترک دنیا سے دور رہ کر انسانی معاشرے کا فرد بننے کا حکم دیا ہے۔

فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

لارھبانیۃ فی الاسلام۔(1)

''اسلام میں رہبانیت (ترک دنیا) کی کوئی جگہ نہیں''۔

حضرت سعد بن وقاص فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون کو بے نکاح رہنے کی اجازت نہ دی۔ اگر اجازت دے دیتے تو ہم خصی بن جاتے۔(2) مذہب اسلام نے انسانوں کو عبادت وریاضت میں اس قدر محو ہونے سے منع فرمایا ہے جس سے دوسروں کے حقوق کی پامالی کا دروازہ کھلے یا انسان دوسروں کے حقوق ادا کرنے کے قابل ہی نہ رہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ میرے والد محترم نے ایک شریف النسب عورت سے میرا نکاح کردیا میرے والد اپنی بہو کی خبر گیری کرتے رہتے تھے۔ وہ اس سے شوہر کے متعلق دریافت کرتے تو کہتی۔ ''بہت اچھے آدمی ہیں پوری رات نماز میں مشغول رہتے ہیں اور ہر دن روزے سے رہتے ہیں۔ جب سے میں آئی ہوں میرے بستر کے قریب بھی نہیں آئے ہیں''۔ میرے والد نے مجھے کافی ڈانٹ پلائی مگر میں اپنی روش سے باز نہیں آیا تو انھوں نے میری شکایت بارگاہ رسالت میں کردی۔ رسول کائنات نے مجھے بلا بھیجا۔ میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

''اے عبداللہ مجھے خبر ملی ہے کہ تم ہمیشہ دن میں روزے رکھتے ہو اور رات بھر نمازیں پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کیا ہاں رسول اللہ! فرمایا ایسا مت کرو کبھی روزہ رکھو، کبھی بے روزہ رہو۔ رات میں قیام بھی کرو اور سوؤ بھی۔ بے شک تیرے جسم کا تجھ پر حق ہے تیری آنکھ کا تجھ پر حق ہے تیری بیوی کا تجھ پر حق ہے تیرے ملاقاتیوں کا تجھ پر حق ہے''۔(3)

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ:

اسی طرح عورتوں کو بھی اپنے شوہروں کے حقوق کا خاص خیال رکھنے کا حکم ہے کہ وہ بھی عبادت وریاضت میں ایسا نہ رم جائیں کہ شوہر کے حقوق پامال ہوں۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حاضر بارگاہ رسالت تھے۔ ''ایک خاتون بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی اور اپنے شوہر کی شکایت کی کہ جب میں نماز پڑھتی ہوں تو میرے شوہر صفوان بن معطل مجھے مارتے ہیں اور جب روزہ رکھتی ہوں تو تڑوا دیتے ہیں، اور خود فجر کی نماز نہیں پڑھتے حتی کہ سورج نکل آتا ہے''۔ صفوان بھی بارگاہ رسالت میں حاضر تھے۔ حضور نے ان سے صفائی طلب فرمائی۔

انھوں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! اس کی یہ شکایت کہ جب میں نماز پڑھتی ہوں تو مارتے ہیں''۔ اصل میں وہ دو دو بڑی بڑی سورتیں پڑھتی ہیں حالاں کہ میں منع کرچکا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر ایک چھوٹی سورت پڑھتی تو سب کے لیے بہتر تھا۔ پھر صفوان نے عرض کیا کہ ''اس کی دوسری شکایت کہ جب روزہ رکھتی ہوں تو تڑوا دیتے ہیں'' اس کی وجہ یہ ہے کہ جب روزہ شروع کرتی ہے تو رکھتی چلی جاتی ہے۔ میں جوان آدمی ہوں

صبر نہیں کرسکتا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لاتصوم امراۃ الا باذن زوجھا.

''کوئی شوہر کی اجازت کے بغیر نفل روزہ نہ رکھے''۔

''اور اس کی تیسری شکایت کہ میں سورج طلوع ہونے تک نماز فجر نہیں پڑھتا ہوں''۔ تو ہمارے متعلق لوگوں کو معلوم ہے کہ ہم باغ اور کھیتی والے ہیں جلدی بیدار نہیں ہو پاتے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: صفوان جب بیدار ہو جاؤ نماز پڑھ لیا کرو۔(4)

حضرت علامہ علی قاری علیہ رحمۃ الباری فرماتے ہیں کہ وہ لوگ راتوں کو آب پاشی کیا کرتے تھے، اور شاید اسی جگہ سو جایا کرتے تھے، جہاں انھیں جگانے والا کوئی نہ ہوتا، اس لیے وہ معذور تھے۔(5)

اسلام انسانی حقوق کا پاسدار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے حقوق اللہ پر حقوق انسانی کو مقدم رکھا۔(6)

ذیل میں حق اور اس کی تفصیلات پر قدرے روشنی ڈالی گئی ہے۔

حق کسے کہتے ہیں؟ حق کا معنی ہے۔ سچائی، راستی، یقین، انصاف، ثابت شدہ حصہ وغیرہ۔ (مصباح اللغات)

حقوق کتنی طرح کے ہوتے ہیں؟ مذہب اسلام نے انسانوں کے ذمہ جن حقوق (Right) کی ادائیگی لازم قرار دی ہے وہ دو طرح کے ہیں۔ (1) حقوق اللہ (2) حقوق العباد۔

حقوق اللہ؟ صرف اور صرف اللہ تبارک وتعالیٰ اور بندے کے مابین کا معاملہ جس کا تعلق کسی دوسرے بندے سے نہ ہو۔ یعنی نہ مطالبۂ مالی کہ شرعاً اس کے ذمہ کسی کے لیے ثابت ہو۔ نہ نقصان وآزار جو بے اجازت شرعیہ کسی قول، فعل سے کسی کے دین، آبرو، جسم، مال یا صرف قلب کو پہنچایا جائے۔ مثلاً نماز، روزے، حج وغیرہا عبادات جو صرف بندہ اور خدا کے درمیان کا معاملہ ہے اس سے کسی بندے کا نفع ونقصان متعلق نہیں۔ (مستفاد)

حقوق العباد (Human Right)؟ حق العبد ہر وہ مطالبۂ مالی کہ شرعاً اس کے ذمہ کسی کے لیے ثابت ہو اور ہر وہ نقصان وآزار جو بے اجازت شرعیہ کسی قول، فعل، ترک سے کسی کے دین، آبرو، جان، جسم، مال یا صرف قلب کو پہنچایا جائے۔ حق العبد کی یہ دو قسمیں ہوئیں۔ اول کو دین اور ثانی کو مظالم اور دونوں کو تبعات اور کبھی دیوان بھی کہتے ہیں۔(7)

ان تمام حقوق کی ادائیگی کا حکم دیتے ہوئے رب تعالیٰ فرماتا ہے:

''بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں جن کی ہیں انھیں سپرد کرو، اور یہ کہ جب تم لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ بے شک اللہ تمھیں کیا خوب نصیحت فرماتا ہے۔ بے شک اللہ سنتا دیکھتا ہے''۔(النساء/58)

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں وہ تمام امانتیں شامل ہیں جو انسان پر واجب ہیں خواہ وہ حقوق اللہ سے ہوں جیسے نمازیں، صدقات، کفارات، نذور، روزے وغیرہ کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں۔ یا وہ حقوق العباد سے ہوں جو ایک دوسرے پر واجب ہیں۔ جیسے امانتیں وغیرہ جو ایک دوسرے پر معاملات میں واجب ہوتے ہیں۔ دونوں طرح کے حقوق کی ادائیگی کا رب تعالیٰ نے حکم دیا۔

لہٰذا جو شخص دنیا میں انھیں ادا نہیں کرے گا بہ روز قیامت اسے ادا کرنا ہی ہوگا۔ جیسا کہ احادیث مبارکہ میں اس کی صراحت آئی ہے کہ حق دار کو حق دینا ہی ہوگا حتی کہ بغیر سینگ کی بکری کا بدلہ سینگ والی بکری سے لیا جائے گا۔(8)

حقوق العباد کی اہمیت: حقوق العباد کا تعلق صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات سے ہے اس لیے اس کا مطالبہ بھی صرف اسی ذات لاشریک کی جانب سے ہے۔ یہ حقوق کی ادائیگی سے یا توبہ واستغفار سے معاف ہو سکتے ہیں، اور یہ آسان ہے کیوں کہ انسان تنہائی میں بھی اس کی بارگاہِ بے نیاز میں اپنی خطاؤں پر آنسو بہا کر مغفرت کا مستحق ہو سکتا ہے۔ مگر حقوق العباد کا تعلق چوں کہ اس بندے سے ہے جس کا یہ حق ہے۔ اس لیے اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے دار العدل کا قانون بھی یہی رکھا کہ جس کا حق ہے وہی معاف کرسکتا ہے۔ اس لیے اگر کسی کا حق ہے تو جب تک اس کو ادا نہ کیا جائے یا وہ جب تک معاف نہ کرے اللہ تعالیٰ بھی معاف نہیں فرماتا، اور یہ بہت دشوار معاملہ ہے کہ انسان کو انسان سے معافی مانگنے میں شیطانی تکبر آڑے آتا ہے۔ لیکن اس کے بغیر چارہ نہیں اگر حق ادا نہ کیا یا معاف نہ کرایا اور مر گیا تو آخرت کا معاملہ سخت تر ہے۔ ایک روپے کے بدلے پوری زندگی کی نیکی جاسکتی ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ صاحب حق کے سارے گناہ بھی سر پر ڈالے جاسکتے ہیں۔

(1) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

نامہ اعمال تین قسم کے ہیں۔ (1) وہ نامۂ اعمال جس میں اللہ تعالیٰ کچھ معاف نہیں فرمائے گا وہ ہے اللہ تعالیٰ کے

ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے''۔(2) وہ نامۂ اعمال جس میں سے اللہ تعالیٰ کچھ نہیں چھوڑے گا۔ وہ بندوں کا آپس میں ایک دوسرے پر ظلم ہے یہاں تک کہ ایک کو دوسرے سے بدلہ دیا جائے گا۔(3) وہ اعمال جس کی اللہ تعالیٰ کو کچھ پرواہ نہیں، وہ بندوں کا گناہ ہے خالص اپنے اور رب کے معاملہ میں وہ اللہ تعالیٰ کے رحم وکرم پر ہے سزا دے یا معاف کرے۔(9)

(2) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جانتے ہو کنگال کون ہے۔ لوگوں نے عرض کیا جس کے پاس مال و دولت نہیں ہم میں وہی مفلس و کنگال سمجھا جاتا ہے۔ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا، میری امت میں کنگال وہ ہے، جو قیامت کے دن نماز، روزے، زکوٰۃ لے کر آئے گا، اور اس طرح آئے گا کہ کسی کو گالی دی، کسی پر بہتان تراشی کی، کسی کا مال کھایا، کسی کا خون کیا، کسی کو مارا۔ اب اس کی نیکیاں کچھ اس کو دے دی جائیں گی کچھ اس کو۔ اگر نیکیاں ختم ہو جائیں گی اور حقوق باقی رہ جائیں گے تو ان کے گناہ لے کر اس شخص پر ڈال دیئے جائیں گے۔ پھر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔(10)

(3) ''بے شک روز قیامت تم کو حق دار کے حقوق ادا کرنا ہی ہوگا۔ یہاں تک کہ منڈی بکری کا بدلہ سینگ والی بکری سے لیا جائے گا کہ اسے سینگ مارے''۔(11)

(4) ''غیبت زنا سے سخت تر گناہ ہے، کسی نے عرض کی یہ کیوں کر فرمایا زانی توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے، اور غیبت کرنے والے کی مغفرت اس وقت تک نہیں ہوگی جب تک وہ شخص معاف نہ کر دے جس کی غیبت کی ہے''۔(12)

مسئلہ: کسی نے اگر کسی کی غیبت کی اور اس کی خبر اس شخص کو ہو گئی تو معافی حاصل کرنا ضروری ہے اور اگر خبر نہیں ہوئی تو استغفار کرے اور اسے نہ بتائے۔(13)

(5) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا:

''ماں باپ کا بیٹے پر کچھ دین آتا ہوگا، تو قیامت کے دن وہ اس سے لپٹیں گے کہ ہمارا دین دے دو۔ وہ کہے گا میں تمہارا بچہ ہوں، یعنی شاید رحم کریں، والدین تمنا کریں گے کاش! اور زیادہ ہوتا''۔(14)

(6) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''کوئی بھی حق دار جنت، جنت نہیں جا سکتا جس پر کسی کا حق باقی ہو''۔(15)

حقوق اللہ پر حقوق العباد مقدم: یہی وجہ ہے کہ حقوق العباد حقوق اللہ (حقوق شرع) پر مقدم رکھے گئے ہیں۔ مثلاً کسی کی جان یا مال کی ہلاکت کا خوف ہو یا دایہ کو بچے کی ہلاکت کا ڈر ہو تو نماز میں تاخیر کرنا بلکہ توڑ دینا بھی جائز ہے۔ یوں ہی حج پر نفقہ اہل وعیال مقدم ہے۔(16)

دوسرے کا حق چھیننے والا: آج ہر انسان اپنے حقوق کی باتیں کرتا ہے کہ ہمیں فلاں حق ملنا چاہیے ہمارا فلاں حق نہیں ملا وغیرہ۔ یقیناً اپنے حقوق کا حق دار ہر شخص ہے۔ مگر کہتے ہیں یا حقوق کی لڑائی لڑتے ہوئے وہ یہ بھول جاتا ہے کہ جس طرح اس کے حقوق مقرر ہیں اسی طرح سے دوسروں کے بھی حقوق ہیں جو اسے آئین وقانون نے دیئے ہیں۔ اس کے کسی عمل سے ان دوسروں کی حق تلفی نہ ہو۔ ہر شخص اپنا حق پانا چاہتا ہے، مگر دوسروں کی حق تلفی سے دریغ بھی نہیں کرتا۔ دوسروں کی حق تلفی کے لیے چوری، دغا بازی، رشوت، سود، لوٹ مار اور بدعہدی جیسے غیر اخلاقی طریقے اپنا کر انسان خود کو مہذب اور ترقی پسند سمجھ رہا ہے۔ جب کہ اگر ہمیں کچھ حقوق عطا کیے گئے ہیں تو ہمارے اوپر یہ ذمہ داری بھی عائد کی گئی ہے کہ دوسروں کو بھی ان کے حقوق دے دیں اور انھیں بھی اپنے حقوق سے مستفید ہونے کا موقع فراہم کریں اور بہ حیثیت مسلمان ہماری ذمہ داری اور بھی فزوں تر ہو جاتی ہے کہ مذکورہ بالا غیر اسلامی افعال سے خود کو بچائیں تا کہ معاشرے سے حق تلفی کی وبا کا خاتمہ ہو سکے۔ اللہ عزوجل ورسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات عالیہ ہمیں کیا درس دے رہے ہیں۔

فرمان الٰہی ہے:

(1) ''اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔ مگر یہ کہ کوئی سودا تمہاری باہمی رضامندی کا ہو''۔ (آل

عمران)

(2) ''وہ جو سود کھاتے ہیں قیامت میں اس شخص کی طرح اٹھیں گے جسے آسیب نے چھو کر مخبوط بنا دیا ہو''۔ (البقرۃ)

فرمان رسول ہے:

چوری کے وقت چور مومن نہیں رہ جاتا۔ جس وقت کوئی شخص کوئی مال لوٹتا ہے اور لوگوں کی نگاہیں اس پر اٹھتی ہیں اس وقت وہ شخص مومن نہیں رہ جاتا''۔(17)

جو لوٹ پاٹ کرتا ہے وہ ہم سے نہیں''۔(18)

حضرت ابو امامہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(1) ''قیامت کے دن لوگوں میں سب سے برا وہ شخص ہوگا جس نے دوسروں کی دنیا کی خاطر اپنی آخرت برباد کر دی''۔(19)

''کوئی کسی کا جانور بغیر اجازت کے نہ دوہے۔ کیا تم میں سے کوئی پسند کرے گا کہ کوئی اس کے بالا خانہ پر گھس آئے پھر اس کا خزانہ توڑ کر اس کا غلہ لے جائے۔ لوگوں کے جانوروں کے تھن ان کی غذاؤں کے خزانہ ہیں''۔(20)

(2) حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو بالشت بھر زمین زبردستی لے گا قیامت کے دن سات زمینوں کا ہار بنا کر اسے پہنایا جائے گا''۔(21)

(3) حضرت سالم اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو زمین کا کچھ حصہ ناحق لے گا اسے قیامت کے دن سات زمینوں تک دھنسایا جائے گا''۔(22)

(4) حضرت ابوسلمہ کہتے ہیں کہ میرے اور کچھ لوگوں کے درمیان جھگڑا تھا، تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تذکرہ کیا، تو انھوں نے کہا اے ابوسلمہ زمین سے بچو، کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے بالشت بھر زمین دبا لیا، اس کو سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا''۔(23)

(5) یعلی بن مرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ:

''جو شخص ناحق کوئی زمین لے لے تو اس سے محشر میں اس کی مٹی اٹھوائی جائے گی''۔(24)

(6) انھیں سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا کہ:

''جو شخص ظلماً بالشت بھر زمین لے لے اللہ اسے اس کا مکلف کرے گا کہ اسے سات زمینوں تک کھودے پھر قیامت کے دن تک اس کا طوق پہنائے گا، حتیٰ کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے''۔(25)

(7) حضرت سعید بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے کچھ بھی زمین ناحق لے لیا۔ ساتویں زمین تک اللہ تعالیٰ اس کو ہار بنا دے گا۔ اس کا نہ کوئی فرض قبول ہوگا نہ نفل''۔(26)

''جو شخص لوگوں کے راستے میں سے ایک بالشت زمین دبا لے گا قیامت کے دن وہ زمین وہاں سے لے کر ساتویں طبق تک گردن پر اٹھا کر حاضر ہوگا''۔(27)

(8) یعلی بن مرہ سے ہی مروی ہے کہ:

''جس شخص نے بالشت بھر زمین چرا لیا یا غلہ چرایا، وہ قیامت کے دن ساتوں زمین تک اپنی گردن پر اٹھائے آئے گا''۔(28)

(9) فرمان رسول ہے کہ:

''تم سے کسی کو ہرگز اس حال پر نہ پاؤں کہ اپنی گردن پر اونٹ یا بکری کا بوجھ لے کر آ رہا ہو''۔(29)

(10) حضرت سائب بن یزید اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی لاٹھی نہ تو دل لگی سے لے نہ ارادۃً۔ جس نے اپنے بھائی کی لاٹھی لے لیا وہ اسے واپس دے دے''۔(30)

زمین کے سات طبقات ہیں دو طبق کے بیچ پانچ سو سال کی مسافت ہے، جتنی زمین ناحق دبائی ہے اتنی ساتوں طبق تک کھود کر اور اٹھا کر محشر میں جانا ہوگا۔ دوسری سزا یہ ہوگی کہ ساتوں زمین تک

اسے دھنسایا جائے۔ زمین کو جب گردن میں ہار بنا کر ڈالا جائے گا تو اس کی گردن بھی بہت زیادہ لمبی کردی جائے گی، جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ کافر کی جلد خوب موٹی کردی جائے گی، اس کے دانت لمبے کردیئے جائیں گے وغیرہ اسی طرح زمین ہڑپنے والے کی گردن لمبی کر کے اس زمین کو اس کی گردن میں ہار بنادیا جائے گا۔(31)(اللہ کی پناہ)

ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اپنے بھائی کی چھڑی بھی اس کی مرضی کے بغیر لینا کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں''۔(32)

چھوٹا دعویٰ اور اس کا انجام: حضرت طلحہ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ اروی بنت اویس قریش کے کچھ افراد کو میرے پاس لے کر آئی اور ان میں عبدالرحمٰن بن سہل بھی تھے۔ اس خاتون نے شکایت کی کہ حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میری کچھ زمین اپنی زمین میں ملالی ہے۔ اس لیے آپ لوگ چل کر ان سے میرا حق دلادیں، اس کے اس دعویٰ پر ہم لوگ ان کے پاس گئے، وہ اس وقت مقام عقیق میں اپنی زمین ہی پر تھے۔ اس کی بات سن انھوں نے یہ حدیث پاک سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ''جس نے زبردستی کسی کی زمین دبالیا ہو تو سات طبق تک زمین اس کے لیے طوق بنادی جائے گی''۔ حضرت سعید نے کہا کہ اس کے باوجود آپ لوگ سمجھتے ہیں کہ میں نے زمین دبالیا ہے؟ حضرت سعید نے اس عوت کے دعویٰ کے مطابق زمین چھوڑ دیا اور دعا کیا کہ ''اے اللہ! اگر یہ جھوٹی ہے تو اندھی ہوکر مرے اور اس کی قبر کنویں میں بنے۔ "اللّٰهم إن كانت كاذبة فلا تمتها حتى تعما بصرها وتجعل قبرها في بئر "لوگوں کا بیان ہے کہ اس عورت کی بینائی چلی گئی اور اندھی ہوگئی۔ گھر سے باہر نہیں نکل پاتی تھی، کنویں میں گر کر مرگئی۔(33)

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرۂ اقدس کے دروازے پر جھگڑے کی آواز سن کر باہر نکلے اور فرمایا:

''میں ایک انسان ہوں، میرے پاس مقدمے آتے ہیں۔ تو کچھ لوگ دوسرے سے زیادہ چرب زبان ہوتے ہیں، جس سے ظاہراً میں انھیں سچا سمجھنے لگتا ہوں اور اس کے حق میں فیصلہ کردیتا ہوں، لہذا جس کے لیے کسی مسلم کے حق کا فیصلہ کردوں تو یہ اس کے لیے آگ کا ٹکڑا ہے۔ اب چاہے تو لے یا چھوڑ دے''۔(34)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

''ہوسکتا ہے کہ اپنا دعویٰ پیش کرنے میں اور حجت قائم کرنے میں کوئی اپنے حریف سے زیادہ چرب زبان ہو، اس کی بنیاد پر اگر میں اس کے بھائی کے حق کا کوئی ٹکڑا اس کے حق میں کردوں تو وہ اس کے لیے جہنم کا ٹکڑا ہوگا''۔(35)

حق ادا کردو یا معاف کرالو: حقوق اللہ ہو یا حقوق العباد کسی کو قلبی بھی آزار پہنچایا، گالی دی، غیبت کی اور اس کو خبر ہوگئی، عزت وآبرو پر حملہ کیا ہو، مارا پیٹا ہو یا کسی کا مال چوری کیا، چھینا، لوٹا، رشوت، سود، جوے میں لیا، ان میں جو واپس کرنے کے لائق ہیں انھیں حق دار کو لوٹا دے۔ مثلاً مال واسباب۔ زمین جائداد وغیرہ واپس کرنے کی چیزیں ہیں اور اگر ادا کرنے کے قابل نہیں مثلاً مارا، گالی دی، تو معاف کرالے۔ جب تک صاحب حق معاف نہیں کرے گا نجات کی صورت نہیں۔

حقوق اللہ میں ظاہر ہے کہ اللہ عزوجل کے سوا کون معاف کرسکتا ہے۔ اور حقوق العباد میں گرچہ رب تعالیٰ ہی ہماری جان ہماری دولت، عزت وآبرو سب کا مالک ہے اگر معاف فرمادے تو کسے مجال دم زدن ہے۔ مگر اس کی بندہ نوازی ہے کہ اس نے اپنا قانون عدل وانصاف یہ قرار دیا کہ صاحب حق اپنے حقوق کا اختیار عطا فرمایا۔ جب تک صاحب حق معاف نہیں کرے گا حقوق معاف نہیں ہوں گے۔(36)

حقوق اللہ معاف ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ (1) توبۂ صادقہ (2) عفوِ الٰہی۔ اسی طرح حقوق العباد معاف ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ (1) جو قابل ادا ہیں انھیں ادا کردینا (2) جو قابل ادا نہیں انھیں معاف کرالینا۔ ورنہ قیامت کے دن بدلہ تو دینا ہی ہوگا اور وہاں مال ودولت بدلہ نہیں بنیں گے نیکیاں بدلے میں دینی ہوں گی، اور نیکیاں ختم ہوجائیں گی تو صاحب حق کے گناہوں کا بوجھ اٹھانا ہوگا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

''جس کے ذمہ اپنے بھائی کی آبرو وغیرہ کسی بات کا مظلمہ ہو، اسے لازم ہے کہ آج ہی اس سے معافی مانگ لے۔ اس دن کے آنے سے پہلے جس دن نہ روپیہ ہوگا نہ اشرفی۔ اگر اس کے پاس کچھ نیکیاں ہوں گی تو اس کے حق کے برابر اس سے لے کر صاحب حق کو دے دی جائیں گی۔ ورنہ صاحب حق کے گناہ اس پر رکھے جائیں گے۔(37)

عفوو در گزر اسلام کی نظر میں: اگرچہ ظالم سے

انتقام کی اجازت ہے، تاہم قدرت کے باوجود انتقام نہ لینا سب سے بڑی بہادری ہے۔ معاف کردینا بڑی ہمت کا کام ہے۔ اور ایسی حالت میں جب کہ مجرم اپنے کیے پر نادم ہو اور معافی کا طلب گار ہو، عفوودرگزر سے کام نہ لینا ناپسندیدہ قرار پاتا ہے جن امور کی ادائگی کا امکان نہیں ان میں معافی مواخذۂ آخرت سے نجات دلا سکتی ہے۔ اپنی غلطی کا اعتراف اور معافی کی طلب ایسا نازک مرحلہ ہے جسے نیک طبیعت لوگ ہی طے کرپاتے ہیں۔ ورنہ اعتراف جرم اور طلب عفو میں کبھی عہدہ تو کبھی ''انا'' آڑے آجاتی ہے۔ مگر اس کے سوا چارۂ کار نہیں۔ دنیا کی نام نہاد ''ذلت ورسوائی'' کو قبول کرتے ہوئے اعتراف جرم کے ساتھ صاحب حق سے معافی کا خواست گار ہونا آخرت کی ان عظیم رسوائیوں سے ہزار بار درجہ کمتر ہیں۔ جلال باری اس دن ہر مظلوم کو اس کا حق دلا کر ہی رہے گا۔

دوسری جانب بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اعتراف جرم اور طلب معافی کے باوجود معاف کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ کچھ تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ ہم تو قیامت تک معاف نہیں کریں گے ـــــ ایسے لوگ عفوودرگزر کی اس رحمت بے کراں سے محروم رہیں گے جو معاف کرنے والوں کے حصے میں ہے۔ دیکھئے رب العالمین کے بے بہا انعامات معاف کرنے والوں پر کیسے کیسے ہیں۔ فرمان الٰہی ہے:

(1) ''اگر تم کوئی بھلائی اعلانیہ کرو یا چھپ کر، یا کسی کی برائی سے درگزر کرو تو بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا قدرت والا ہے''۔(النساء:49)

(2) ''اور برائی کا بدلہ اسی کے برابر برائی ہے تو جس نے معاف کیا اور کان سنوارا تو اس کا اجر اللہ پر ہے۔ بے شک وہ ظالموں کو پسند نہیں فرماتا''۔(الشوریٰ)

(3) ''بے شک جس نے اپنی مظلومی پر بدلہ لیا ان پر کچھ مواخذہ کی راہ نہیں۔ مواخذہ تو انھیں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں، اور زمین میں ناحق سرکشی پھیلاتے ہیں۔ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اور جس نے صبر کیا اور بخش دیا تو یہ ضرور ہمت کے کام ہیں اور جسے اللہ گمراہ کرے، اس کا اللہ کے مقابل کوئی رفیق نہیں، اور تم ظالموں کو دیکھو گے کہ جب وہ عذاب دیکھیں گے تو کہیں گے، کیا دنیا میں واپس جانے کا کوئی راستہ ہے''۔ تاکہ نیک کام کریں۔(الشوریٰ:41-44)

(4) ''جو اللہ کی راہ میں خوشی اور غم میں خرچ کرتے ہیں، اور غصہ پینے والے، لوگوں سے درگزر کرنے والے اور نیک لوگ اللہ کے محبوب ہیں''۔(آل عمران:134)

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات بھی ملاحظہ ہوں۔ فرماتے ہیں:

(1) ''جس کسی بندے کو کسی طرح ستایا گیا اور اس نے معاف کردیا، اللہ عزوجل اپنی نصرت وحمایت سے اس کو عزت بخشے گا''۔(38)

(2) ''کوئی مال صدقہ سے کم نہیں ہوتا، اور عفوودرگزر کرنے والے کی اللہ تعالیٰ عزت ہی بڑھاتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع وخاکساری اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلندی عطا فرماتا ہے''۔(39)

(3) ''جو تم سے قطع تعلق کرے اس سے صلہ رحمی کرو، جو محروم رکھے اس کو دو اور جو تم پر ظلم کرے اسے معاف کردو''۔(40)

کریم کا کرم بے حساب کیا کہنا: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دن حضور سید العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجلس صحابہ میں جلوہ فرما تھے۔ ناگاہ آپ کے روئے انور پر تبسم کی کلیاں کھلیں اور دندان مبارک موتیوں کی مثل جگمگانے لگے۔ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دست بستہ عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان حضور کے تبسم کا راز کیا تھا؟ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''روز قیامت میری امت کے دو افراد بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوں گے ایک شخص عرض کرے گا ''پروردگار! میرے اس بھائی نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔ آج مجھے میرا حق دلایا جائے''۔ رب تبارک وتعالیٰ فرمائے گا اپنے بھائی سے کیا چاہتے ہو؟ اس کی ساری نیکیاں ختم ہوچکیں۔ مدعی عرض کرے گا۔ پروردگار! ''یہ میرے گناہوں کا بوجھ اٹھالے'' یہ بیان کرتے ہوئے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ ارشاد فرمایا ''وہ دن بڑا سخت ہوگا، لوگ اس کی ضرورت محسوس کریں گے کہ اس دن گناہوں کا بوجھ دوسرا شخص اٹھالیتا''۔

اللہ رب العزت مدعی سے فرمائے گا، ''نگاہیں اٹھا کر ادھر دیکھ'' وہ نظر اٹھا کر دیکھے گا اور عرض کرے گا، پروردگار! میں کچھ خوب صورت سنہری شہر دیکھ رہا ہوں، جس میں سونے کے خوب صورت محلات ہیں، جن میں آب دار موتیاں جڑے ہوئے ہیں۔ کیا یہ کسی نبی مکرم کے لیے ہیں، کسی صدیق کے لیے ہیں، یا کسی شہید کے لیے ہیں؟ مولیٰ تعالیٰ فرمائے گا ''یہ اس کے لیے بنائے گئے ہیں جو ان کی قیمت دے گا۔ وہ شخص عرض کرے گا۔ پروردگار! اس کی قیمت کون دے سکتا ہے؟ اللہ

تعالیٰ فرمائے گا "تو دے سکتا ہے"۔ وہ عرض کرے گا "وہ کیسے"؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا "وہ یوں کہ اپنے بھائی کو معاف کردے" وہ عرض کرے گا۔ پروردگار! "میں نے معاف کیا" مولیٰ جل مجدہ فرمائے گا "اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ اور اسے بھی لے کر جنت میں چلا جا"۔

اس کے بعد آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(1) "اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور آپس میں صلح کرلو کہ مولیٰ عزوجل قیامت کے دن مسلمانوں کے مابین صلح کرائے گا"۔(41)

آقا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

(2) جب مخلوق روز قیامت جمع ہوگی رب العزت کی طرف سے ایک منادی اعلان کرے گا "اے مجمع والو! آپس کے مظلموں کا تدارک کرلو، اور تمہارا ثواب میرے ذمہ ہے"۔(42)

(3) "بے شک اللہ تعالیٰ تمام اگلوں پچھلوں کو ایک جگہ جمع فرمائے گا۔ پھر زیر عرش سے ایک منادی اعلان کرے گا "لوگ اٹھ کر آپس کے مظلموں میں ایک دوسرے سے پلٹیں گے۔ منادی پکارے گا "اے توحید والو! ایک دوسرے کو معاف کردو، اور ثواب دینا میرے ذمہ ہے"۔(43)

اَللّٰھُم متعنی ھذا بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم اکرم التسلیم.

......حواشی وحوالے:......

(1) کشف الخفا للعجلونی الجراحی الشافعی المتوفی 1164ھ، 528/2، موسوعة اطراف الحدیث الشریف.

(2) الصحیح للبخاری کتاب النکاح باب مایکرہ من التبتل والخصاء 5073۔ /مشکوۃ المصابیح، کتاب النکاح الفصل الاول۔

(3) الصحیح للبخاری کتاب الصوم، باب حق الجسم فی الصوم، 1975، کتاب فضائل قرآن 5052، باب فی کم یقراء القرآن۔ الصحیح لمسلم کتاب الصوم باب النہی عن صوم الدھر۔ 366/1/مشکوۃ المصابیح کتاب الصوم، باب صیام التطوع، فصل اول۔

(4) رد المحتار علی در المختار۔ کتاب الحج۔ 409/3

(5) مرقاۃ شرح مشکوۃ 277/6

(6) فتاوی رضویہ کتاب الحضر والا باحۃ۔ نصف اول 48/9، رضا اکیڈمی ممبئی۔

(7) عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری۔ کتاب فی الاستقراض واداء الدیون الخ باب اداء الدیون۔ 319/12.

(8) المسند لاحمد بن حنبل 240/6، الجامع الصغیر، للسیوطی 261/2، مشکوۃ المصابیح 434/2

(9) الصحیح لمسلم باب تحریم الظلم 320/2 المسند لابن حنبل 303/2، الجامع الترمذی الترمذی باب ماجاء فیشان الحساب والقصاص 64/2

(10) الصحیح لمسلم بابتحریم الظلم. 320/2 الجامع للترمزی، باب ماجاء فی شان الحساب والقصاص. 64/2

(11) مشکوۃ المصابیح للتبریزی، الدر المنشور للسیوطی. 97/6

(12) عمدۃ القاری شرح الصحیح للبخاری 413/12 کتاب الظالم والغصب باب من کانت لہ مظلمۃ عبد الرجل فحللھا لہ الخ.

(13) المعجم الکبیر للطبرانی. 270/10، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم. 202/4

(14) عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری 402/12، المظالم والغصب۔

(15) رد المحتار علی الدر المختار 409/3، کتاب الحج

(16) الصحیح للبخاری کتاب المظالم والغصب باب النہی بغیر اذن صاحبہ عمدۃ القاری 34/13.

(17) عمدۃ القاری شرح الصحیح للبخاری 36/13 کتاب المظالم والغصب باب النہی بغیر اذن صاحبہ.

(18) مشکوۃ المصابیح للتبریزی 434/2 مجلس برکات مبارکپور.

(19) ایضاً 255/1 باب الغصب والعاریۃ الفصل الاول.

(20) ایضاً

(21) ایضاً 256/1

(22) عمدۃ القاری 420/12 کتاب المظالم والغصب.

(23) مشکوۃ المصابیح للتبریزی 256/1 باب الغصب والعاریۃ۔ الفصل الثانی.

(24) ایضاً (25) ایضاً

(26) کنز الایمان للمتقی 30378 - 5/11

(27) عمدۃ القاری 419/12، کتاب المظالم والغصب.

(28) ایضاً

(29) مشکوۃ المصابیح للتبریزی 256/1

(30) عمدۃ القاری 419/12 کتابالمظالم والغصب.

(31) الصحیح لابن حبان. 1166.

(32) عمدۃ القاری 419/12، کتاب المظالم والغصب.

(33) الصحیح للبخاری کتاب المظالم والغصب باب اثم من خاصم فی باطل وھو یعلمہ. (34) ایضاً

(35) فتاوی رضویہ نصف اول جلد 9، ص: 48، کتاب الحظر والاباحۃ، رضا اکیڈمی ممبئی.

(36) الصحیح للبخاری کتاب المظالم والغصب، باب من کانت لہ مظلمۃ عند الرجل الخ. 231/1.

(37) عمدۃ القاری کتاب المظالم والغصب باب عفو المظلوم. 409/12. بیروت. (38) ایضاً

(39) المسند لاحمد حنبل. 7452۔ 654/28۔ بیروت لبنان.

(40) الدر المنشور للسیوطی 161/3.

(41) مجمع الزوائد للھیتمی. 356/10. (42) ایضاً

آئینۂ وطن

سیکولر ہندستان میں مسلمان اور ترقیاتی سہولتیں

مولانا ممتاز عالم مصباحی

کسی بھی جمہوری مملکت میں زندگی بسر کرنے والی تمام مذہبی اکائیوں کا یہ آئینی و اصولی حق ہوتا ہے کہ انہیں تمام تر مادّی و سماجی سہولتیں فراہم کی جائیں۔ اگر کسی اقلیت کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جائے تو اس رویہ سے نہ صرف یہ کہ اس مملکت کی جمہوریت کو ٹھیس پہنچے گی بلکہ صحیح معنوں میں اس کی ترقی بھی نہیں ہو سکے گی، کیوں کہ ایسی صورت حال میں متعلقہ اقلیت کی ترقیاتی امکانات کی راہیں مسدود ہوکر رہ جائیں گی۔ مثال کے طور پر اس کی اکثریت والے علاقوں میں اگر سرکاری اسکولوں کی فراہمی نہ ہو تو اس کے بچے تعلیم سے دور رہیں گے، پینے کے لیے صاف پانی کا انتظام نہ ہو اور صفائی کی سہولتیں نہ ہوں تو بد غذائی سے ان گنت مسائل پیدا ہوں گے اور پیداواری صلاحیتوں اور متوقع عمر میں حد درجہ کمی واقع ہوگی۔ ٹرانسپورٹ، مواصلات اور قرضوں کی سہولتوں کے مہیا نہ ہونے کی وجہ سے اہل صنعت وحرفت اور دست کاروں کو مال حاصل کرنے اور اپنے پروڈکٹس (مصنوعات) کو مارکیٹ میں لانے میں مشکلات کا سامنا کرنا ہوگا۔

سیکولر جمہوریہ ہندستان جسے پوری دنیا میں سب سے بڑی جمہوریت تصور کیا جاتا ہے، میں بسنے والی دوسری بڑی اکثریت قوم مسلم کا معاملہ بھی اس سے کچھ مختلف نہیں ہے۔ سچر رپورٹ کے ذریعہ اس حقیقت کا خوب اچھی طرح اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کمیشن نے مجموعی طور پر مسلمانوں کی سماجی، اقتصادی اور تعلیمی صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے کسی بھی قوم کی ترقی کے لیے درکار سہولتوں کی مندرجہ ذیل تقسیم کی اور انھیں خطوط پر اپنی تحقیقات کا آغاز کیا۔

☆تعلیمی ادارے ☆طبی سہولتیں

☆ڈاک وتار کی سہولتیں ☆گاؤں تک آنے والی پکی سڑک

☆بس اسٹاپ

جسٹس راجندر سچر کمیشن کی شائع شدہ رپورٹ کے مطابق کم مسلم آبادی والی بستیوں میں تعلیمی سہولتوں والے گاؤں کی تعداد 88% ہے جب کہ مسلم اکثریت والے گاؤں مس ایسے گاؤں کا تناسب 85% ہے۔ بڑے گاؤں میں یہ فرق کم ہے، کیوں کہ 2000/ سے زیادہ آبادی والی تمام بستیوں میں عملاً ایک نہ ایک تعلیمی ادارہ ضرور موجود ہے۔ لیکن گاؤں کی آبادی کم اور مسلمانوں کی آبادی کے زیادہ ہوتے ہی ابتدائی اور ثانوی اسکولوں کی فراہمی کم ہے۔ 10% سے کم مسلم آبادی والے لگ بھگ 82/ چھوٹے گاؤں میں تعلیمی ادارے موجود ہیں، مگر اچھی مسلم آبادی والی بستیوں میں 69% ہی تعلیمی ادارے ہیں۔

طبی سہولتوں کے متعلق کمیشن کی رپورٹ نے یہ واضح کیا ہے کہ 39-10 فی صد مسلم آبادی والے گاؤں اس معاملہ میں مسلم آبادی کم تر یا زیادہ تناسب والے گاؤں کے بالمقابل بہتر ہیں۔ رپورٹ کے مطابق نسبتاً بڑے گاؤں میں مسلم آبادی کا تناسب زیادہ ہونے کے ساتھ ہی طبی سہولتوں کی فراہمی میں بھی کمی آنے لگتی ہے۔ اس سے کہیں زیادہ اور واضح فرق وامتیاز ڈاک وتار گھروں کی سہولتوں کی فراہمی میں بھی نظر آتا ہے۔ مجموعی صورت حال یہ ہے کہ 39-10 فی صد مسلم آبادی والے گاؤں میں تو بہتر سہولتیں ضرور موجود ہیں، مگر الگ الگ تجزیہ اس بات کو واضح کرتا ہے کہ مسلم آبادی کے تناسب میں اضافہ ہوتے ہی ان سہولتوں کی فراہمی میں بھی واضح اور نمایاں فرق آنے لگتا ہے۔

پکی سڑکوں اور بس اسٹاپ کے تئیں کمیشن یہ تصویر واضح کرتا ہے کہ کثیر مسلم آبادی والے گاؤں میں پکی سڑکیں اور مقامی بس اسٹاپ زیادہ نہیں ہیں۔ یہ صورت حال گاؤں کی آبادی میں اضافہ ہوتے ہی بد سے بد تر ہوتی جاتی ہے۔ جس کی وجہ مسلمانوں کی اقتصادی سرگرمیاں خاصی متاثر ہوتی ہیں۔ کیوں کہ مسلمان زمین کے مالک کم اور دست کار، اتفاقی مزدور اور چھوٹے چھوٹے کاروبار کرنے والے زیادہ ہیں۔ اگر انھیں ہر موسم میں کام آنے والی پکی سڑکیں اور مقامی بس اسٹاپ کی سہولت فراہم کی جاتی تو ان کے لیے اقتصادی مواقع روشن وتابناک ہو سکتے تھے اور وہ بھی خوش حالی وفارغ البالی کی باعزت زندگی بسر کر سکتے تھے۔ لیکن اس معاملہ میں بھی ان کے ساتھ امتیازی برتاؤ کیا جاتا رہا ہے۔

یہ تو پورے ملک کی مجموعی صورت حال ہے، لیکن چوں کہ مختلف

شیخ الادب جامعۃ البرکات، سہسوان، بدایوں (یو. پی.)

ریاستوں کے درمیان دیہی علاقوں میں سہولتوں کی فراہمی میں خاصا فرق ہے اس لیے کمیشن نے ہر ریاست میں فراہم کی جانے والی سہولتوں کا الگ الگ جائزہ لیا تا کہ صحیح صورت حال بالکل واضح ہو جائے۔ موقع کی مناسبت سے اس پہلو کو بھی اجمالی طور پر ملاحظہ کرتے چلیں۔

1- تعلیمی سہولتیں: کمیشن کی رپورٹ کے مطابق بہار اور مغربی بنگال کے 1000 سے زائد مسلم اکثریت والے گاؤں میں کوئی بھی تعلیمی ادارہ نہیں ہے۔ یو. پی. میں ایسے گاؤں کی تعداد 1943 / ہے۔ رپورٹ کے مطابق چھوٹے گاؤں میں صورت حال اور بھی بدتر ہے۔ تعلیمی سہولتوں والے کثیر مسلم آبادی والے گاؤں کی تعداد اس قسم کی سہولتوں والے گاؤں کی مجموعی تعداد سے کم ہیں۔ نسبتاً چھوٹے گاؤں میں یہ فرق تشویش ناک حد تک زیادہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ کثیر مسلم آبادی والے گاؤں، خاص طور پر چھوٹے گاؤں تعلیمی سہولتوں سے یکسر محروم ہیں۔

2- طبی سہولتیں: رپورٹ کے مطابق اتر پردیش کے تقریباً 5000 مسلم اکثریت والے گاؤں، مغربی بنگال اور بہار کے 3000 / سے زیادہ گاؤں اور آسام و جموں کشمیر کے تقریباً 2000 / گاؤں میں طبی سہولتیں فراہم نہیں ہیں۔ اکثر ریاستوں میں طبی سہولتوں والے مسلم اکثریتی گاؤں کا تناسب ان سہولتوں والے گاؤں کے تناسب سے کچھ کم ہے۔ مجموعی طور پر طبی سہولتوں سے محروم 16% سے زائد گاؤں مسلم اکثریت والی آبادی میں ہیں۔

3- پکی سڑکیں اور بس اسٹاپ: پکی سڑکوں اور بس اسٹاپ کی موجودگی کے تعلق سے کمیشن نے یہ صورت حال واضح کی ہے کہ مغربی بنگال بہار، جھارکھنڈ اور اتر پردیش کے تمام تر چھوٹے، اوسط اور بڑے گاؤں میں پکی سڑکوں اور بس اسٹاپ کی فراہمی بطور خاص تشویش ناک حد تک کم ہے۔ مجموعی طور پر پکی سڑکوں والے مسلم اکثریت والے گاؤں کا تناسب اس سہولت والے دوسرے تمام گاؤں کی بمناسبت بہت کم ہے۔ یہ صورت حال طبی سہولتوں کے معاملہ میں خاص طور پر حیرت ناک ہے۔ بنیادی سہولتوں سے محروم ریاستوں میں مسلمانوں کی کثیر آبادی اس حقیقت کو آشکارا کرتی ہے کہ سیکولر ہندستان میں مسلم اقلیت کا ایک بڑا حصہ ان بنیادی سہولتوں تک رسائی نہیں رکھتا۔

4- رهائش اور صفائی: اس تعلق سے کمیشن کی رپورٹ کے ذریعہ یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شہری اور دیہی دونوں علاقوں میں پکے مکانات میں رہنے والے مسلم کنبوں کا تناسب کل آبادی کے مقابلے میں کم ہے۔ اس اعتبار سے .O.B.C اور .S.C./S.T کے بالمقابل مسلمانوں کی حالت بہتر ہے۔ حالاں کہ پکے مکانات میں رہنے والے مسلمانوں کا تناسب دونوں ہی علاقوں میں ہندوؤں کے عام تناسب سے کم ہے۔

مسلم گھروں میں ٹوائلٹ کی سہولتوں کے متعلق رپورٹ یہ واضح کرتی ہے کہ سیکولر ہندستان میں مسلم گھروں کی تقریباً آدھی تعداد ٹوائلٹوں سے محروم ہے۔ یہ صورت حال دیہی علاقوں میں مزید تشویش ناک ہے۔ شہروں میں بھی ہر سات مسلم گھر میں سے ایک گھر میں ٹوائلٹ کی سہولت نہیں ہے۔ اس کے باوجود مسلمانوں کی حالت .S.C./S.T اور .O.B.C سے کہیں بہتر ہے۔ ہر پانچویں مسلم گھر میں خود اپنا فلش ٹوائلٹ موجود ہے۔ یہ تناسب بقیہ ہندستانی آبادی کے بالمقابل قدرے بہتر ہے۔ تاہم شہروں میں فلش ٹوائلٹ والے مسلم گھروں کا تناسب تمام شہری آبادی میں اس سہولت والے لوگوں کے تناسب سے بہت کم ہے۔ مسلم گھروں کی بڑی تعداد اجتماعی مشترکہ فلش ٹوائلٹوں تک رسائی رکھتی ہے یا اس کے پاس خود اپنے پٹ ٹوائلٹ کی سہولت موجود ہے۔ مسلم گھروں میں ٹوائلٹ سہولتوں کی عدم فراہمی کے باوجود مسلمانوں کی حالت .S.C./S.T اور .O.B.C سے بہتر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان خاص کر عورتوں کے لیے پردے کا اہتمام کرتے ہیں، کیوں کہ مذہب اسلام پردے کا خاص حکم دیتا ہے۔

5- گھروں میں بجلی کی فراهمی: مسلمانوں اور .S.C./S.T لوگوں کی زیادہ تر تعداد ایسے علاقوں میں رہتی ہے جنھیں کم ترین بجلی فراہم کیے جانے والے زمرے میں رکھا گیا ہے۔ کمیشن کی رپورٹ کے مطابق گاؤں میں جیسے جیسے بجلی کی فراہمی کی سطح بڑھتی ہے ویسے ویسے مسلمانوں اور .S.C./S.T کا حصہ کم ہونے لگتا ہے، جب کہ عام ہندوؤں کے اعتبار سے یہ معاملہ بالکل برخلاف ہے، کیوں کہ گاؤں میں بجلی کے اضافہ کے ساتھ ہی ان کا حصہ بھی بڑھنے لگتا ہے۔ مردم شماری کے اعداد و شمار سے بھی یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ روشنی کے لیے بجلی کا استعمال قومی اوسط کے بالمقابل مسلمانوں میں بہت کم ہے۔ مسلم اکثریت والے گاؤں میں یہ محرومی بہت زیادہ ہے۔ کیوں کہ جیسے جیسے گاؤں کی آبادی میں کمی آتی ہے اور مسلم آبادی میں اضافہ ہوتا ہے ویسے ویسے ایسے گاؤں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔ جس میں بجلی کی فراہمی موجود نہیں ہوتی۔

6- فلٹر شدہ پانی کی فراهمی: کمیشن کے مطابق متوقع

طور پر اس سہولت کی صورت حال شہری علاقوں میں بہتر ہے اور معمولی فرق کے ساتھ مختلف فرقوں کے 60 سے 70 فی صد گھروں میں بھی اس کی فراہمی موجود ہے۔ مگر گاؤں میں یہ معاملہ بہت مختلف ہے، کیوں کہ وہاں صرف ایک چوتھائی گھروں کو ہی ٹیپ کا پانی دستیاب ہو پاتا ہے۔ تمام دوسرے فرقوں کے بالمقابل یہ سہولت مسلمانوں کو بہت کم دستیاب ہے۔ تقریباً ایک دہائی پہلے .N.C.A.E.R کی انسانی ترقیاتی رپورٹ (N.C.A.E.R.1999) میں بھی یہی بات واضح کی گئی تھی جس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ٹیپ پانی کی فراہمی میں بہتری لانے کے معاملہ میں تمام فرقوں کے درمیان فرق کو کم کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔

7- صاف ایندھن کی فراهمی: کمیشن رپورٹ .N.F.H.S کے اعداد و شمار 99-1998 کے حوالے سے یہ حقیقت واضح کرتی ہے کہ گاؤں کے صرف 6% اور شہروں کے تقریباً 40% لوگ کھانا تیار کرنے کے لیے صاف ایندھن کا استعمال کرتے ہیں۔ اس معاملہ میں مسلم گھروں کی صورت حال مزید ابتر ہے جو شہری علاقوں میں اور بھی واضح ہے۔ حالاں کہ کھانا پکانے کے لیے صاف ستھرا ایندھن صحت کے لیے بہت ہی اہم ہے۔ خواتین کے اعتبار سے یہ بات اور بھی اہم ہے کیوں کہ عام طور پر کھانا تیار کرنے کی ذمہ داری انھیں کے سر ہوتی ہے۔ 2001ء کی مردم شماری کے مطابق دیہی علاقوں میں تقریباً 60 فیصد گھر .L.P.G یا مٹی کے تیل جیسا کوئی بھی جدید ایندھن استعمال نہیں کرتے۔ کھانا تیار کرنے کے لیے ان جدید ایندھنوں کے استعمال نہ کیے جانے کا سلسلہ مسلم آبادی کے تناسب کے بڑھنے کے ساتھ بڑھتا جاتا ہے۔

خلاصۂ بحث: سچر کمیشن کی رپورٹ کے مندرجات کے مطالعہ سے یہ نتائج سامنے آتے ہیں کہ مجموعی طور پر کثیر مسلم آبادی والے گاؤں ایسی ریاستوں اور علاقوں میں جہاں مادی اور سماجی صورت حال بہت ابتر ہے، جس کی وجہ سے مسلم گھروں کو دستیاب سہولتیں دیگر سماجی، مذہبی طبقوں کے بالمقابل بہت کم ہیں۔ علاوہ بریں کرناٹک کے اوسط آبادی والے گاؤں کی طبی سہولتوں، تمل ناڈو کے گاؤں کی تعلیمی سہولتوں اور جموں کشمیر کے دیہی علاقوں میں موجود مواصلاتی نیٹ ورک کے درمیان نابرابری پائی جاتی ہے۔ مسلمانوں کے رہائشی حالات مجموعی اوسط کے مساوی ہیں۔ ان کی حالت عام ہندوؤں سے تو بدتر ہے مگر ہندو .O.B.C کے مساوی ہے مسلمانوں کا مجموعی معیار زندگی ہندو .O.B.C کے مساوی .S.C/S.T سے بہتر مگر دیگر لوگوں سے بدتر ہے۔

(ص:9 کا بقیہ)

اس مختصر اور قدرے دقیق بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یا تو مجرم کو سرے سے سزا ہی نہ دی جائے اور اس کی اصلاح کے لیے دیگر ذرائع استعمال میں لائے جائیں، یا یہ کہ اسے سزا دی جائے خواہ اس کا کوئی مقصد ہو یا نہ ہو لیکن راجح بات یہی ہے کہ سزا دینے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ سزا کے ڈر سے جرم کے ارتکاب سے باز و ممنوع رہیں۔ بدنی سزا میں اگر درد کا پہلو سرے سے مفقود ہو تو اسے سزا کہنا مشکل ہے۔ ہندستان کی سپریم کورٹ نے اس پہلو پر بحث کرتے ہوئے درج ذیل رائے دی:

> Some extent of pain or suffering is inevitable in any kind of punishment, punishment and absence of pain, in terms, contradistory. (AIR SC 115)

اسلام فرد اور معاشرے کی اصلاح پر بھی زور دیتا ہے اور اس کے ساتھ ہی حکومت پر بھی یہ ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ وہ ایسے حالات کو یقینی بنائے جن میں ارتکابِ جرم کے امکانات کم سے کم ہوں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عام الرمادۃ، قحط سالی کے سال، کے دوران چوری کی سزا معطل کر دی۔ اس لیے کہ خوراک کی فراہمی حکومت کے بس میں نہ تھی، بایں ہمہ جو لوگ قتل عمد کا ارتکاب کرتے ہیں، آبروریزی کرتے ہیں، شراب نوشی کرتے ہیں، لوگوں کا مال چراتے ہیں یا طاقت کے زور پر لوگوں کو دہشت زدہ کر کے قتل یا غارت گری کا ارتکاب کرتے ہیں، ایسے لوگوں کو سخت بدنی سزا دی جاتی ہے۔ جس کا مقصد بالعموم زجر (Deterrence) ہے۔ ابن العربی نے اپنی کتاب احکام القرآن میں صراحت سے کہا ہے کہ قصاص کی سزا زجر کے طور پر مقرر کی گئی ہے۔ چوں کہ انجکشن کے ذریعہ موت کی نیند سلا دینے سے سزا کا کوئی بھی مقصد پورا نہیں ہوتا، لہٰذا سزائے موت پر عمل درآمد کا یہ طریقہ اسلامی تعلیمات سے مطابقت نہیں رکھتا۔ ھذا ما عندی و اللہ اعلم بالصواب.

☆☆☆☆☆

جاں کنی سے آغوشِ لحد تک

محمد ہارون مصباحی فتح پوری

جمعہ کی شب تھی، محرم کی بارہویں تاریخ شروع ہو چکی تھی اور چھٹیوں کا آخری دن تھا۔ رات کے تقریباً 9ربج رہے تھے اور میں کتابوں کی دنیا میں کھویا ہوا تھا کہ تبھی موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ موبائل اٹھا کر دیکھا تو اس کی روشن اسکرین پر دل کو موہ لینے والا ایک نام ''شکیل بھائی'' جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔ اسکرین پر ابھرتے ہوئے اس خوب صورت نام کو دیکھ کر میرے اندر خوشیوں کی کرنیں پھوٹ پڑیں کہ کئی دن ہو گئے تھے پر ان سے ملاقات نہ ہو سکی تھی۔ میں نے بے اختیار فون ریسیو کیا، حال چال دریافت کیا اور لگے ہاتھوں یہ شکوہ بھی کر دیا کہ آپ چھٹیوں میں بھی جامعہ نہ آسکے۔ اس پر جواب یہ ملا کہ بیماری نے آنکھ پر پٹی، ہاتھوں میں ہتھکڑی اور پیروں میں بیڑی پہنا رکھی ہے، ورنہ اتنے دنوں تک جدائی نہ ہو پاتی۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ آنکھ میں آشوب چشم، پیٹ میں درد، چہرے پر سوجن اور پورے جسم پر ہلکی سردی نے مل جل کر ہلہ بول رکھا ہے، دوا کھا رہا ہوں، فائدہ بھی ہو رہا ہے، مگر نقاہت اتنی ہے کہ چلنا پھرنا دوبھر ہے۔ خاص طور سے زینے سے چڑھنا اور سجدے سے سر اٹھانا بڑا تکلیف دہ ہے۔ درد سے بھری ان کی یہ کیفیت سن کر مجھے بڑی تکلیف ہوئی اور اب میں اپنے آپ کو ملامت کرنے لگا کہ میں نے خود ہی کیوں نہ ان کی خبر لی۔ خیر! میں نے دوسرے دن آنے کا وعدہ کر لیا۔

10رجنوری بروز شنبہ عصر کے بعد حضرت مولانا ناصر حسین صاحب مصباحی کے ہمراہ بستی کے اندر جدید تعمیر شدہ اشرفیہ بلڈنگ میں ان کے روم جا پہنچا۔ انھیں دیکھا تو واقعی وہی کیفیت تھی -آنکھیں ہلکی سرخ اور چہرہ سوجا ہوا- پوچھنے پر بتایا کہ پیٹ میں اب بھی وہی درد ہے، مزید سردی کا بھی کچھ اثر ہے۔ ان کی اس کیفیت پر ہم دونوں نے غم وافسوس کا اظہار کیا اور پورے احتیاط سے دوا علاج کرنے کی تلقین کی، پھر اپنی کچھ ضروریات کے لیے بازار چلے گئے۔ بعد مغرب واپس آکر ''آخری'' ملاقات کی اور جامعہ آگئے۔

عشا کے بعد ایک مضمون لکھ رہا تھا، یہی کوئی پونے گیارہ بج رہے تھے، اچانک کمرے کا دروازہ پوری قوت سے کھلا اور ایک نووارد نے ہوش اڑانے والی یہ خبر سنائی کہ ''مولانا شکیل صاحب انتقال کر گئے۔'' یہ کوئی خبر تھی یا آتش فشاں جو اپنی پوری قوت سے پھٹا اور اس کے لاوے کان کے پردے پھاڑتے ہوئے جسم کے ریشے ریشے میں سما گئے، قلم ہاتھ سے چھوٹ گیا، زبان گنگ ہو گئی، ہوش وحواس جاتے رہے۔ پتہ نہیں کیسی قوت تھی جس نے پورے جسم کو یکبارگی اچھال دیا۔ بھاگتا ہوا کمرے سے نکلا تو دروازے پر مولانا حبیب اختر صاحب (صدر شعبۂ کمپیوٹر) اور ماسٹر فیاض صاحب (نگراں) حواس باختہ کھڑے نظر آئے اور وہی ہوش ربا جملہ دُہرایا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ مرحوم اسلامیہ ہاسپٹل میں ہیں۔

میں پاگلوں کی طرح بھاگتا ہوا کچھ ہی دور پہنچا تھا کہ موبائل بج اٹھا۔ اسکرین پر نظر پڑی تو ''شکیل بھائی'' پوری آب وتاب کے ساتھ جگمگا رہا تھا۔ میں حیرت سے ٹکٹکی باندھ کر اسکرین دیکھ رہا تھا۔ گھبراہٹ اتنی تھی کہ فون ریسیو کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ پتہ نہیں کون ہے؟ کیا خود شکیل بھائی ہیں؟ پھر وہ ہلاکت خیز خبر؟ آخر ہمت کر کے امید وبیم کے عالم میں فون ریسیو کیا تو اُدھر سے ایک نامانوس آواز سنائی دی: ''میں شارق بول رہا ہوں، مولانا شکیل صاحب کی طبیعت بہت خراب ہے، اسلامیہ ہاسپٹل میں اڈمٹ ہیں، آپ جلد پہنچیں۔'' یہ خبر تھی یا زندگی کا سب سے بڑا مژدہ، میری حیرت وخوشی کی انتہا نہ رہی کہ میرا رفیق ابھی باحیات ہے۔ زبان سے یہ الفاظ بے ساختہ نکل پڑے: ''مگر مجھے تو ان کے انتقال کی خبر ملی ہے، کیا سچ مچ وہ سب جھوٹ ہے۔'' اس پر ادھر سے کہا گیا: ''شاید............انتقال............ہو گیا۔''

رک رک کر کہی گئی یہ بات میرا سانس ہی روک گئی۔ اب آنکھوں کے سامنے اندھیرا تھا، صرف اندھیرا۔ میں نے کسی طرح مولانا نثار احمد صاحب کو فون پر یہ اطلاع دی، وہ بھی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے آئے اور پھر ہم لوگ دوڑتے بھاگتے اسلامیہ ہاسپٹل پہنچے۔ دیکھا تو وہاں کا منظر ہی کچھ عجیب وغریب تھا۔ ہر طرف مردنی چھائی ہوئی تھی۔ بے شمار لوگ تھے جن کے سر جھکے تھے، آنکھیں نم تھیں اور

استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

چہرے سفید۔ سامنے ہی تپائی پر درمیانے قد کا ایک جسم بڑی سلیقہ مندی کے ساتھ چت لیٹا ہوا تھا۔ جسم چادر سے ڈھکا ہوا تھا اور لوگ ٹکٹکی باندھے اسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ قریب پہنچا تو ماسٹر فیاض صاحب آگے بڑھے، مجھے پکڑ کر تپائی کے قریب لے گئے اور اس پر دراز شخص کے چہرے سے چادر ہٹادی۔ وہ چہرہ...... وہ نورانی چہرہ...... وہ دل فریب چہرہ کبھی فراموش نہ ہوگا۔ چہرہ تھا کہ نور برس رہا تھا، لگ ہی نہیں رہا تھا کہ وہ ہمیشہ کے لیے سو گیا ہے۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ابھی آواز دوں گا اور ابھی آنکھیں کھول کر مسکرا پڑیں گے۔ مگر ایسا نہ ہوا، کیوں کہ قدرت نے اپنا فیصلہ کر دیا تھا۔ قوت برداشت جواب دے گئی، آنکھیں ڈبڈبا گئیں، آخر آنسو ہی تو تھے، کب تک رکتے؟ برس ہی پڑے اور ہچکیاں بندھ گئیں۔ چہرہ ڈھک دیا گیا اور میں ایک جانب کھڑا ہو گیا۔

موت کی یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح ہر سو پھیل گئی اور لوگوں کی آمد کا تانتا بندھ گیا۔ مولانا نعیم الدین صاحب، حاجی سرفراز احمد صاحب، محترم شکیل احمد صاحب اور دیگر بہت سے ذمہ داران ادارہ پہلے ہی سے موجود تھے۔ حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صاحب، حضرت مولانا عبد المبین نعمانی صاحب، حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی، حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی، مولانا اختر حسین فیضی، مولانا ساجد علی مصباحی، مولانا رفیع القدر مصباحی، مولانا نور احمد مصباحی، مولانا نثار احمد مصباحی، مولانا حبیب اختر مصباحی، مولانا محبوب احمد مصباحی، مہتاب عالم صاحب پیامی اور دیگر بہت سے اساتذہ وطلبہ خبر ملتے ہی دوڑے آئے۔

ایک بھلا چنگا انسان اچانک موت کی آغوش میں کیسے چلا گیا؟ یہ داستان ان کے شب وروز کے رفیق انور علی بستوی (متعلم درجۂ فضیلت جامعہ اشرفیہ۔ موصوف کئی سال سے ان کے ساتھ رہتے اور کھاتے پیتے تھے) کی زبانی ہی سنیں، جنھوں نے ان کی موت کا یہ بھیانک منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ موصوف کا بیان یہ ہے:

''بعد مغرب آپ کے جانے کے بعد مولانا شکیل احمد صاحب کمرے میں بیٹھے تھے، پیٹ میں بائیں جانب درد محسوس ہو رہا تھا، انھوں نے مجھ سے کہا: ''ڈاکٹر سی یادو (ایم بی بی ایس ہیں، مبارک پور صدر اسپتال میں تعینات ہیں) اس وقت احسان میڈیکل اسٹور میں بیٹھتے ہیں، دیکھ کر آؤ کہ وہاں ہیں یا نہیں۔'' میں وہاں گیا مگر ڈاکٹر نہ ملے ۔واپس آکر مولانا کو اطلاع دی۔ مولانا کو درد کا احساس تھا، اس لیے شارق خاں (متعلم جامعہ اشرفیہ) سے تیل گرم کروایا اور خالد رضا (خادم) سے جسم پر مالش کرائی۔ کچھ راحت محسوس ہوئی تو میں نے ڈاکٹر کے پاس چلنے کی بات کہی اور پھر مسلم (متعلم جامعہ اشرفیہ) کے ساتھ مولانا کو ڈاکٹر سلمان خان کے پاس لے گیا، یہی کوئی ساڑھے سات بج رہے تھے۔ ڈاکٹر نے ایکس رے اور ای سی جی (دل کا چیک اپ) کرانے کا مشورہ دیا، ساتھ ہی چھبیس روپے کی دوا بھی دی۔ مولانا نے ایک ٹیبلٹ وہیں کھائی اور باقی لے کر واپس اپنے روم آگئے۔ ساڑھے آٹھ بجے کھانا کھایا، کچھ دیر بعد دوا کھائی اور پھر ماہ نامہ اشرفیہ کی فائل اور پیپر منگا کر اسے دیکھنے لگے۔ جناب جاوید صاحب موبائل والے ان کے پاس بیٹھے باتیں کر رہے تھے، حافظ معین الدین صاحب بھی پہنچ گئے۔ دس بجنے ہی والے تھے۔ مولانا نے ناگ پور میں حافظ عبد الحکیم صاحب سے فون پر بات کی اور مولانا ساجد رضا مصباحی استاذ جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف سے بھی بات کی اور انھیں کہا کہ آپ اپنا مضمون جلد ہی فیکس کر دیں تا کہ وہ مارچ کے شمارے میں شاملِ اشاعت ہو سکے۔ اس وقت کمرے میں میرے علاوہ حافظ معین الدین صاحب، جناب جاوید صاحب اور شارق خان موجود تھے۔ مولانا کو حاجت محسوس ہوئی اور انھوں نے ہم سے بیت الخلا تک پہنچانے کو کہا، ہم لوگ آگے بڑھے کہ تبھی انھوں نے پانی مانگا۔ شارق خاں نے لوٹے میں پانی دیا اور انھوں نے دو گھونٹ پیا۔ پانی پیتے ہی درد کا شدید احساس ہوا، جس کی تاب نہ لا کر وہ بستر پر دراز ہو گئے اور ٹیک لگانے کو کہا۔ ہم اچانک پیدا ہونے والی یہ کیفیت دیکھ کر گھبرا گئے۔ میں دوڑ کر دفتر سے مسند لایا اور حافظ صاحب نے ناظم صاحب کو فون سے اطلاع دی۔ انھوں نے فوراً ڈاکٹر قمر الہدیٰ صاحب کے پاس لے جانے کی ہدایت کی۔ ہم نے رکشہ تلاش کرنا شروع کیا مگر سخت کہرے والی اس ٹھٹھرتی ہوئی رات میں سوا دس بجے رکشہ کہاں۔ آخر میں سائیکل لے کر آیا اور حافظ صاحب، شارق، مسلم اور نور الدین نے انھیں دو منزلہ سے نیچے اتارا اور سائیکل پر بٹھایا۔ سوا دس بج چکے تھے۔ جوں ہی انھیں سائیکل پر بٹھایا گیا۔ ان کی گردن ایک طرف لڑھک گئی۔ حافظ معین الدین صاحب کا بیان ہے کہ مجھے غالب گمان ہے کہ اسی وقت ان کی روح دار فانی سے دار بقا کی طرف پرواز کر گئی ۔''انا للّٰہ و انا الیہ راجعون''۔ ہم لوگ انھیں لے کر تیزی کے ساتھ اسلامیہ ہاسپٹل کی طرف بڑھے۔ راستے میں ناظم صاحب کا بھیجا ہوا رکشہ ملا، اس پر انھیں

بٹھایا اور اسپتال پہنچے۔ ساڑھے دس بجے ڈاکٹر قمر الہدیٰ صاحب نے انھیں دیکھا اور یہ دردناک خبر دی کہ راستے ہی میں ان کا انتقال ہو چکا ہے۔"

اس ہوش ربا صورت حال میں کسی کو کچھ سوجھ ہی نہیں رہا تھا کہ کیا کریں، کیا نہ کریں؟ آخر کار ان کے والدین اور اعزہ و اقارب کو دل ہلا دینے والی یہ خبر دی گئی، جسے سن کر ان کے ہوش اڑ گئے۔ سب سے زیادہ افسوس تو اس بات پر تھا کہ والدین اور بھائی بہن سب کے سب اپنے وطن ۔اجورا بزرگ ضلع فتح پور میں موجود نہ تھے، بلکہ بھر کنڈہ ضلع رام گڑھ جھارکھنڈ میں سروس پر تھے۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ میت کو کہاں لے جائیں؟ انھوں نے اِجورا بزرگ ضلع فتح پور بھیجنے کی ہدایت کی۔ جناب حاجی سرفراز صاحب ناظم اعلیٰ جامعہ اشرفیہ نے ایمبولنس کے لیے کوشش کی مگر وہ دستیاب نہ ہو سکی، آخر کار ٹاٹا سومو کا انتظام کرنا پڑا۔ ذمہ داران ادارہ نے مجھے اور حافظ معین الدین صاحب کو حکم دیا کہ آپ لوگ کچھ باہوش طلبہ کو ساتھ لے کر فوراً ہی روانہ ہو جائیں۔ تعمیل حکم کے لیے ہم نے پانچ طلبہ اپنے ساتھ لیے جن کے نام درج ذیل ہیں: (1) محمد عیاض احمد گونتی فتح پور (2) محمد خیر الدین، سنگاؤں فتح پور (3) محمد جاوید، سنگاؤں فتح پور (4) محمد جاوید، دسولی فتح پور (5) شہید الرحمٰن بردوان، بنگال۔

ڈرائیور سمیت آٹھ افراد پر مشتمل یہ قافلہ ایک میت کو لے کر رات کے ٹھیک ساڑھے بارہ بجے مبارک پور سے فتح پور کے لیے روانہ ہوا۔ زبردست سردی، بدلی کے سبب گھپ اندھیرا، اور پھر کہرے کا یہ عالم کہ قریب کی چیز بھی نظر نہ آتی تھی۔ رات کے سناٹے کے سبب ہر طرف ہو کا عالم تھا، سب کے سب سکتے میں تھے اور خدا سے منزلِ مقصود تک بخیر و عافیت پہنچنے کی دعا کر رہے تھے۔ خیر! اللہ تعالیٰ نے ہماری سنی۔ چناں چہ اعظم گڑھ سے آگے جون پور روڈ پر پہنچے تو کہرا چھٹنے لگا اور پھر روڈ پر لگے روشن پتھر بھی بڑے معاون ثابت ہوئے اور انھیں کے سہارے ہم لوگ تیزی سے آگے بڑھے۔ راستے میں کئی جگہ پولیس کی ٹولیاں ملیں مگر اللہ کے فضل سے کوئی انہونی پیش نہ آئی اور ہم اعظم گڑھ، جون پور، الٰہ آباد اور سینی ہوتے ہوئے صبح قریب آٹھ بجے اِجورا بزرگ پہنچ گئے۔ والدین اور بھائی بہن تو ابھی سفر ہی میں تھے۔ گاؤں میں چچا، پھپھو اور دیگر رشتہ دار تھے جو بڑی بے چینی کے ساتھ ہماری راہ دیکھ رہے تھے۔ ہماری گاڑی جوں ہی گھر کے قریب پہنچ کر رکی لوگوں کا ایک ہجوم اس کے ارد گرد اکٹھا ہو گیا اور میت کو گاڑی سے نیچے اتارا۔ میت کو دیکھ کر چاروں طرف کہرام مچ گیا، صف ماتم بچھ گئی، پتھرائی آنکھیں، سفید چہرے، خشک ہونٹ، سسکتی آہیں، روتی بلکتی عورتیں۔ یہ دردناک منظر دیکھ کر ہم لوگوں کے دِل ہل گئے۔ لوگوں نے طرح طرح کے سوالات کرنے شروع کر دیے، جن کا جواب دینا ہمارے لیے مشکل ہو گیا، آخر بھیگی پلکوں کے ساتھ کسی طرح لوگوں کو ساری داستان سنائی۔

اب صرف والدین اور بھائی بہن کا انتظار تھا۔ قریب دو بجے وہ لوگ جھارکھنڈ سے اور تین بجے مرحوم کے ماموں ناگ پور سے گاؤں پہنچے۔ ماں باپ بھائی بہن کی کیفیت کیا تھی؟ اپنے نوجوان لاڈلے بیٹے کی لاش دیکھ کر ماں باپ کی حالت کیا ہوئی؟ اپنے پیارے بھیا کا مردہ جسم دیکھ کر بھائی بہن پر کیسا لرزہ طاری ہوا؟ یہ سب بیان کر پانا میرے بس سے باہر ہے۔ ہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ ایسا صابر و متحمل اور سوجھ بوجھ کا باپ میں نے اپنی زندگی میں آج تک کبھی نہیں دیکھا۔ دل و دماغ ہلا دینے اور ہوش و حواس اڑا دینے والے اس منظر کو دیکھ کر بھی وہ انسان اپنے آنسو پی کر رہ گیا اور دوسروں کو دلاسا دیتا رہا۔

تمام رشتہ داروں کے آجانے کے بعد میت کو غسل دیا گیا، کفن پہنایا گیا اور پونے چار بجے لوگوں کا ایک ہجوم (جن میں قرب و جوار کے بہت سے علمائے کرام بھی تھے) میت کو لے کر گاؤں کے پرانے قبرستان کی طرف چل پڑا۔ قبرستان کے باہر نمازِ جنازہ کے لیے پانچ صفیں لگائی گئیں اور مرحوم کے والد کی اجازت سے مولانا ہارون رشید صاحب (استاذ مدرسہ شمس العلوم سنگاؤں فتح پور) نے نماز جنازہ پڑھائی۔ نماز جنازہ کے بعد تدفین ہوئی، دعا ہوئی، حاضرین کے چالیس قدم تک واپس جانے کے بعد اذان ہوئی اور پھر ہم ان کے والد کو لے کر گھر کی طرف چل پڑے۔ ان آخری لمحوں میں صبر و عزیمت کا وہ پیکر اپنے آنسو نہ روک سکا اور پھپھک پھپھک کر رو پڑا۔ یہ گریہ وزاری کچھ ایسی تھی جس نے ہم سب کو بھی رُلا دیا۔ کسی طرح سے ان کو چپ کرایا گیا اور پھر دلوں میں کرب و درد سمیٹے ہوئے ہم لوگ بوجھل قدموں کے ساتھ گھر کی طرف چل پڑے۔ گھر پہنچ کر اعزہ و اقارب کو صبر کی تلقین اور مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کی تاکید کی۔ کچھ دیر ٹھہر کر سب کو دِلاسا دیتے رہے اور پھر مبارک پور کے لیے روانہ ہو گئے۔ ☆☆☆

نقشِ حیات

خدا بخشے، بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

مولانا محمد عبد المبین نعمانی

12 محرم الحرام 1430ھ/10 جنوری 2009ء ہفتہ کا دن گزار کر رات تقریباً دس بجے عزیزی مولانا شکیل احمد مصباحی فتح پوری، مدیر معاون ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور، اچانک معمولی علالت کے بعد اس دنیا سے چل بسے۔ تقریباً 11 بجے شب انتقال کی خبر وحشت اثر ملی۔ پہلے تو یقین نہ ہوا کہ اچھے بھلے تھے، چند روز قبل ملاقات بھی ہوئی تھی، مگر جب تحقیق سے معلوم ہوا کہ واقعی وہی مولانا شکیل جو ماہ نامہ کے نائب مدیر تھے، انھیں کا انتقال ہوا ہے تو یقین آیا۔ زبان سے بے ساختہ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ کی صدا بلند ہوئی اور طبیعت نڈھال ہو گئی۔ معلوم ہوا کہ ابھی شیخ الجامعہ حضرت علامہ محمد احمد مصباحی ان کو دیکھنے اسلامیہ اسپتال مبارک پور جا رہے ہیں تو ناچیز بھی ہم راہ ہو گیا۔ دیگر طلبہ بھی ساتھ ہو گئے۔ سخت کہرا اور سردی میں خراماں خراماں ملت نگر سے مبارک پور پہنچے۔ اسپتال میں گئے تو دیکھا کہ مولانا مرحوم ایک بنچ پر چین سے آرام فرما ہیں، روح تو قفس عنصری سے پرواز کر چکی ہے مگر چہرہ کھلا ہوا ہے، ایسا لگتا تھا کہ سوئے ہوئے ہیں ابھی اٹھنے والے ہیں۔ چہرے کی شگفتگی ان کی بہترین موت اور حسن خاتمہ کا پتہ دیتی تھی۔ جلد ہی تیاریاں ہونے لگیں مولانا کو ان کے گھر فتح پور لے جانے کی۔ تھوڑی ہی دیر میں گاڑی اسپتال کے گیٹ پر آ گئی اور مولانا کی نعش رکھ دی گئی۔ جناب مولانا ہارون مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ اور حافظ معین الدین کی قیادت میں چند اور طلبہ ساتھ ہو گئے۔ صبح آٹھ بجے تک گاڑی ان کے گھر والوں تک پہنچ گئی۔ وہاں گھر والوں پر کیا گزری ہوگی وہ گھر والے ہی جانتے ہیں۔ جوان بیٹے کی اچانک رحلت پر ماں باپ کو کیسا صدمہ ہوا ہوگا اس کا اندازہ لگانا ہم لوگوں کے بس کی بات نہیں۔

مولانا کے انتقال کے بعد ہی یہ عقدہ بھی کھلا کہ وہ ابھی تک غیر شادی شدہ تھے اور شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں، عمر یہی پچیس تیس کے درمیان رہی ہوگی۔ زندگی میں بھی آپ ہنستے مسکراتے رہے اور اسی عالم میں اس دار فانی سے کوچ بھی کر گئے۔ وہ کیا گئے ماہ نامہ اشرفیہ کے آفس کی ایک سیٹ خالی کر گئے، سیٹ تو کسی سے پر ہو ہی جائے گی مگر مولانا شکیل جیسا دوسرا ملنا مشکل ہے۔ ان کی اصل خوبیاں تو مولانا مبارک حسین مصباحی جانتے ہیں اور اسٹاف کے دیگر افراد۔ لیکن مولانا مجھ ناچیز راقم الحروف سے بھی بہت کچھ رابطہ رکھتے تھے۔ چند سال پیش تر جب مولانا سریاں، اعظم گڑھ کی خانقاہ نقش بندیہ مجددیہ سے سہ ماہی جام حضوری کی ادارت کیا کرتے تھے اس وقت بھی مہینے دو مہینے پر ایک بار ضرور حاضری دیتے، مضامین کی درخواست بھی کرتے اور جو مضامین حاصل ہوتے انھیں دِکھاتے۔ خاص طور سے خود جو لکھتے اُس پر اصلاح لیتے، پھر جب مبارک پور مستقل رہنے لگے اور ماہ نامہ اشرفیہ کے نائب مدیر ہو گئے تب بھی برابر رابطے میں رہتے۔ خاص طور سے جب مولانا مبارک حسین مصباحی لمبے دورے پر ہوتے تو ضرور آتے، مشورہ لیتے، آئندہ چھپنے والے مضامین پر نظر ثانی کراتے، کبھی کبھی اصرار کر کے اداریہ بھی لکھواتے تا کہ رسالہ وقت پر شائع ہو سکے۔ میٹھے بول کے عادی تھے، سنجیدگی اور شائستگی آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ کسی کے بارے میں شکوہ شکایت سے ہمیشہ گریز کرتے، اپنے کام سے کام رکھتے، ذمہ داری کو حتی الامکان نبھانے کی پوری کوشش کرتے، دوسروں کا کام بھی بسا اوقات بلا تکلف انجام دے دیتے۔ تعلّی اور تکبر سے کوسوں دور تھے، انکساری اور تواضع ان کا خاص شیوہ تھا۔

مولانا کے حسن عمل کو نمونہ بنانا چاہیے اور ان کی جواں مرگی سے بھی ہمیں سبق لینا چاہیے کہ جب وہ نوجوانی میں ہمیں داغِ مفارقت دے گئے تو ہمیں بھی تیار رہنا چاہیے۔ ہر ایک کو اپنے اپنے کام اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے اور محاسبۂ آخرت سے بچنے کی فکر کرنی چاہیے۔

مولانا مرحوم عرصے سے پیٹ کے مریض تھے، علاج جاری تھا، انتقال سے قبل بھی پیٹ کے درد میں مبتلا تھے اور بہ ظاہر یہ مرض ہی جان لیوا ثابت ہوا،

(باقی ص:31 پر)

مہتمم دارالعلوم قادریہ، چریا کوٹ، مئو

اظہار تعزیت

جواں سال صحافی شکیل مصباحی کی رحلت

افضل مصباحی

مولانا صابر رضا رہبر مصباحی کے میل سے معلوم ہوا کہ ماہنامہ "اشرفیہ" کے نائب مدیر مولانا شکیل احمد مصباحی اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ تھوڑی دیر کے لئے تو سکتہ طاری ہو گیا اور صرف کمپیوٹر کی اسکرین پر نظر ٹکی کی ٹکی رہ گئی۔ ذہن ماؤف ہو گیا۔ جب کافی دیر تک نڈھال سا اخبار کے دفتر میں کرسی پر بیٹھا رہا تو ہمارے ساتھیوں میں سے ایک نے کاندھے کو ہلا کر سوال کیا، کیا ہوا؟ کس سوچ میں آپ گم ہیں؟ بہر حال! میں نے ان کو پوری داستان سنائی، پھر تصدیق کے لئے ماہنامہ اشرفیہ کے مدیر استاذ گرامی مولانا مبارک حسین مصباحی سے رابطہ کیا تو انہوں نے اس المناک خبر کی تصدیق کی۔ یقیناً موت کا ایک وقت متعین ہے، کون کب کہاں کس حالت میں اس دنیا سے رخصت ہو جائے گا کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن کچھ لوگوں کی موت ایسی ہوتی ہے جو مدتوں ستاتی ہے اور مرنے والے کی یادوں کے سایے میں جینے پر مجبور کر دیتی ہے۔ مولانا شکیل احمد مصباحی علیہ الرحمہ کا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ ابھی تو صرف تین دنوں پہلے کی بات ہے کہ انہوں نے مجھے ٹیلی فون کر کے اسرائیل اور فلسطین کے موجودہ حالات پر ایک مضمون ارسال کرنے کی درخواست کی تھی۔ میں نے انہیں جواباً کہا کہ اس مرتبہ "ماہ نور" کا اداریہ بھی تو اسی موضوع پر ہوگا۔ اس لئے کہ مسلمانان عالم کے لئے اس وقت اس سے بڑا موضوع اور کوئی نہیں ہے۔ چنانچہ میں اداریہ کے علاوہ ایک خاص مضمون آپ کے ماہنامہ کے لئے ارسال کر دوں گا۔ لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ میں اسرائیل اور فلسطین کے موضوع پر مضمون ارسال کرنے کی بجائے خود مولانا کی حیات و خدمات پر افسوسناک تحریر قلم بند کرنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔ بہر حال قدرت کو یہی منظور تھا، سو ہوا، اب مرحوم کے لئے دعا ہی کی جا سکتی ہے۔

مولانا شکیل احمد مصباحی ایک ایسے جواں سال مصباحی صحافی تھے جن سے اہل سنت و جماعت کو کافی امیدیں وابستہ تھیں۔ الجامعۃ الاشرفیہ میں تعلیم کے دوران وہ اکثر میرے پاس تشریف لایا کرتے تھے اور کسی نہ کسی موضوع پر تبادلۂ خیال کرتے تھے۔ وہ مجھ سے کئی سال جونیئر ہونے کے باوجود مجھے وہ ایک اچھے دوست کی طرح معلوم ہوتے تھے۔ جب انہوں نے ماہنامہ اشرفیہ کے نائب مدیر کی حیثیت سے ذمہ داری سنبھالی تو اس وقت میں نے روزنامہ راشٹریہ سہارا سے مستعفی ہو کر ماہنامہ "ماہ نور" کی ادارت کی ذمہ داری سنبھالی تھی۔ اس سے قبل مجھے بین الاقوامی میڈیا سمینار جو الجامعۃ الاشرفیہ میں منعقد ہوا تھا اس کے لئے وہاں جانا پڑا۔ پھر وہاں ایک تحریک ملی کہ "ماہ نور" کا "ابنائے اشرفیہ" نمبر نکالا جائے۔ اس کے لئے مولانا شکیل صاحب نے ہمیں کافی مواد فراہم کیا اور مولانا مبارک مصباحی سے صلاح و مشورہ کر کے وہ مسلسل معلومات فراہم کرتے رہے۔ اس کے بعد وہ مسلسل کسی نہ کسی موضوع پر مضمون تحریر کرنے کے لئے فون کیا کرتے تھے۔ ہر وقت ان کے ذہن میں ماہنامہ اشرفیہ کو بہتر سے بہتر بنانے کی فکر رہتی تھی۔ خوش نصیبی سے انہیں ایک ایسا میدان میسر تھا جہاں ان کی رہنمائی کے لئے ایک سے ایک فنکار موجود تھے۔ اپنے اساتذہ کی سرپرستی میں قوم و ملت کی خدمت کا مزا ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ ہر پل سیکھنے، تجربہ حاصل کرنے، غلطیاں سرزد ہونے پر رہنمائی حاصل کرنے کا موقع نصیب ہوتا ہے۔ چنانچہ مولانا شکیل مصباحی نے اپنے تین سالہ دور ادارت میں اپنے اساتذہ سے خوب سیکھا۔ اس لئے یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ اتنی کم عمری میں ان کا انتقال ملک و ملت اور بالخصوص اہل سنت و جماعت کے لئے بڑا نقصان ہے۔ انہوں نے دین کی خدمت کے لئے جس میدان کو چنا تھا وہ آج کے دور میں سب سے زیادہ موثر ہے۔ وہ اس کے ذریعہ موجودہ دور کے چیلنج کا مقابلہ کر سکتے تھے اور اس کے لئے انہوں نے پیش قدمی بھی کر دی تھی۔ چنانچہ دہشت گردی کے موضوع پر مولانا مرحوم کی چند تحریریں مثال کے طور پر پیش کی جا سکتی ہیں۔ مولانا شکیل چونکہ میدان صحافت کے شہسوار تھے، اس لئے میرے لئے انتہائی قابل قدر تھے۔ گزشتہ کچھ برسوں میں چند جواں سال مصباحی برادران جو صحافت کے میدان میں کچھ نہ کچھ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، ان میں ایک مولانا مرحوم تھے۔ وہ اچھی صلاحیت کے مالک تھے، تبھی تو ماہنامہ "اشرفیہ" کے نائب مدیر تھے۔ اہل سنت کے ترجمان رسالے کا نائب مدیر ہونا اپنے آپ میں کافی اہمیت کا حامل تھا۔ وہ انتہائی خلیق، ملنسار، خوش اخلاق، خوش گفتار، نرم خو اور عادات

ایسوسی ایٹ ایڈیٹر ہمارا سماج، دہلی

اطوار کے اچھے تھے۔ ماہنامہ "اشرفیہ" کے نائب مدیر بننے کی تمام صلاحیت ان کے اندر موجود تھی۔ تحریر بھی کافی شستہ اور سلیس ہوتی تھی۔ مختلف موضوعات پر ان کی تحریریں اس بات کی بین دلیل ہے کہ وہ مستقبل میں قلم کے ایک اچھے شہسوار ثابت ہو سکتے تھے اور اپنی تحریر سے ملک و ملت کی اچھی خدمت کر سکتے تھے۔ لیکن افسوس کہ انہیں موقع نہ مل سکا اور وہ صرف 28 سال کی عمر میں 12 جنوری 2009 کو رات کے 10 بجے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ وہ چلے گئے لیکن ان کی یادیں ہمیں ہمیشہ ستاتی رہیں گی۔ مولانا مرحوم اپنے کام کے تئیں کافی سنجیدہ تھے، پوری ذمہ داری کے ساتھ ماہنامہ کو سجانے سنوارنے میں مصروف رہتے تھے۔ الجامعۃ الاشرفیہ کے تمام اساتذہ ان کی شرافت اور محنت کے قائل تھے اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ تنظیم ابنائے اشرفیہ کو آگے بڑھانے کے لئے بھی وہ کافی سرگرم تھے۔ مولانا مبارک حسین مصباحی جو ماہنامہ کے مدیر ہیں وہ کافی ان کی تعریف کیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی ہم لوگ موجودہ صحافت کے منظر نامہ پر بحث کرتے تو بڑی دلچسپی کے ساتھ مولانا مرحوم اس میں حصہ لیتے تھے۔ حالات حاضرہ کے مطابق رسالے میں کس طرح کی تبدیلی ہونی چاہئے۔ اس کے بارے میں بھی وہ سنجیدہ رہتے تھے اور برابر فون پر رابطہ کرتے رہتے تھے۔ دعا ہے کہ اللہ رب العزت انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆☆☆☆

(ص:29 کا بقیہ) ......اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ پیٹ کا مریض جب مرتا ہے تو اس کو شہادت کا درجہ ملتا ہے، جیسا کہ حضرت جابر بن عتیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:

"قال رسول اللّٰہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الشھادۃ سبع سوی القتل فی سبیل اللّٰہ. المطعون شھیدٌ و الغریق شھید و صاحب ذات الجنب شھید والمبطون شھید و صاحب الحریق شھید والذی یموت تحت الھدم شھید امرأۃ تموت بجمع شھید. رواہ مالك و ابو داؤد و النسائی.

(مشکوۃ المصابیح ص:136 باب عیادۃ المریض، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارك پور)

رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے رسالے میں قتل ہونے سے جو شہادت ملتی ہے اس کے سوا بھی شہادتیں ہیں۔ (1) جو طاعون میں مرا شہید ہے (2) جو ڈوب کر مرا شہید ہے (3) ذات الجنب (پسلی کے درد) میں جو مرا شہید ہے (4) جو پیٹ کے مرض میں مرا شہید ہے (5) جو آگ میں جل کر مرا شہید ہے) (6) جو دیوار و مکان وغیرہ میں دب کر مرا شہید ہے (7) عورت جو بچہ پیدا ہونے میں یا کنوارپن کے عالم میں مر جائے شہید ہے۔

اس حدیث کی روشنی میں مولانا مرحوم شہادت کے مستحق قرار پاتے ہیں، جو ایک بڑا مرتبہ ہے، مولا عزوجل مرحوم کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند کرے، ان کے والدین و اقربا کو صبر کی توفیق دے۔ آمین بجاہ حبیبه سید المرسلین علیه الصلاۃ والتسلیم۔

☆☆☆☆☆☆

یادیں

مر گئے وہ تو بھلائے نہیں جاتے ہم سے

مہتاب پیامی

27 مئی 2005ء، شادی کے ہنگامے عروج پر تھے، مہمانوں کی آمد تھی، لوگ مجھ سے گلے مل رہے تھے اور مبارک بادیں دے رہے تھے۔ ایسے میں میری نظر اپنے اسٹاف کے اساتذہ (شعبۂ تحتانیہ مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم کے اساتذہ) پر پڑی۔ میں نے ان کا خیر مقدم کیا وہ لوگ بھی گلے ملے اور مجھے نئی زندگی کی شروعات پر مبارک باد پیش کی۔ ان ملنے والوں میں ایک نامانوس لیکن شگفتہ چہرہ بھی نظر آیا۔ اس دن کے ہنگاموں میں ان سے تعارف نہ ہو سکا۔

29/ مئی 2005ء کو حسب معمول جب میں ڈیوٹی پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ ماہ نامہ اشرفیہ کے نائب مدیر کی حیثیت سے مولانا شکیل احمد مصباحی کی تقرری ہوئی ہے۔ نام معلوم ہوتے ہی ذہن کے نہاں خانوں سے کچھ یادوں نے اپنے جلوے بکھیرے۔ مارچ 2005ء کے ماہ نامہ اشرفیہ میں میرا ایک مضمون ''متنِ رضا میں معنی کا عمل'' شائع ہوا تھا۔ اس مضمون نے میرا غائبانہ تعارف مولانا شکیل صاحب سے کرایا اور انھوں نے ایک رقعہ دستی طور پر مجھے ارسال کیا جس میں انھوں نے مذکورہ مضمون کے سلسلے میں مجھے مبارک باد پیش کی تھی، اور اپنے سہ ماہی رسالہ ''جام حضوری'' جس کے وہ اس وقت مدیر تھے، کے لیے مضمون لکھنے کی فرمائش بھی کی تھی۔ اس کے بعد مولانا موصوف سے میرا قلمی رابطہ مسلسل استوار رہا اور گاہے بگاہے ٹیلی فون پر گفتگو بھی ہوتی رہی۔

میں ماہ نامہ اشرفیہ کے اس رکن سے ملنے کے لیے دفتر میں پہنچا تو دیکھا وہی شگفتہ چہرے والا انسان نائب مدیر کی کرسی پر تشریف فرما ہے۔ کبھی کی ملاقات نہیں تھی لیکن میں نے پہچان لیا کہ یہی مولانا شکیل احمد مصباحی صاحب ہیں۔ پہلے ہی دن کی ملاقات نے یہ ثابت کر دیا کہ ہم دونوں میں ایک خاص قسم کی ذہنی ہم آہنگی پائی جاتی ہے، اور پہلے ہی دن سے ان سے کچھ اس قسم کے تعلقات قائم ہو گئے کہ گویا وہ میرے دیرینہ رفیق ہوں۔

مولانا شکیل احمد مصباحی ایک اعلیٰ کردار کے انسان تھے، ان سے میری ملاقات روزانہ تو نہ ہوتی تھی لیکن جب بھی ہوتی انتہائی خلوص سے ملتے اور ملاقات پر دلی مسرت کا اظہار فرماتے۔ پھر جب یکم دسمبر 2005ء کو میرے ذمہ ماہ نامہ اشرفیہ کی تزئین کاری و کمپوزنگ کا کام آیا تو موصوف سے روزانہ ملاقاتیں ہونے لگیں۔ روزانہ کی ان ملاقاتوں سے ان کی شخصیت کے جوہر کھل کر میرے سامنے آئے۔ وہ اپنے سینے میں ایک دلِ دردمند رکھتے تھے جو قوم و ملت کی زبوں حالی پر تڑپتا تھا۔ مسلمانوں کے عصری مسائل پر جب وہ گفتگو کرتے تو ان کی باتیں اتنی مدلل ہوتیں کہ کہیں سے ان کا رد ممکن ہی نہیں لگتا۔ ہمہ جہت اور ہشت پہلو شخصیت کے مالک مولانا شکیل صاحب انتہائی بیدار مغز اور زبردست فہم و فراست کے مالک تھے۔ اخبارات و رسائل کا مطالعہ خوب کرتے، سیاسی معاملات پر خوب بحثیں کرتے اور ان کی بحثوں کا ماحصل یہ ہوتا کہ اکثر جو کچھ وہ کہتے وہی باتیں منظرِ عام پر آتیں، میں اکثر سوچتا یہ اگر یہ شخص میدانِ سیاست میں ہوتا تو انتہائی کامیاب سیاست داں سمجھا جاتا۔ ان کی سیاسی بصیرت کے ثبوت ان کے وہ مضامین ہیں جو وقتاً فوقتاً ماہ نامہ اشرفیہ اور دیگر رسائل و جرائد میں شامل اشاعت ہوتے رہے۔ ان کا ایک مضمون جو حالیہ دنوں میں ماہ نامہ اشرفیہ میں بطور اداریہ شائع ہوا وہ بھی ان کے فہم و فکر منہ بولتا ثبوت ہے۔ ذیل میں ان کے مذکورہ مضمون سے ایک مختصر اقتباس پیش ہے:

''اب سوال یہ ہے کہ سیاست کے بازار میں نفرت و تعصب کی گولیاں بیچنے والے سنگھی ذہنیت کے لوگ ان حالات میں بھی اپنی دُکانیں کھلی رکھیں گے یا سنجیدگی کے ساتھ وطن اور ہم وطنوں کی حفاظت کے ٹھوس اقدامات کریں گے۔ دہشت گردی کے واقعات کی غیر جانب دارانہ تحقیقات ہی اس مسئلے کے خاتمہ کا اصل علاج ہے۔ اس لیے کہ ملک دشمن عناصر خواہ وہ کسی مذہب اور شعبے سے تعلق رکھتے ہوں، امن و یک جہتی کے لیے ناسور ہیں۔ ان کی روک تھام کے لیے سخت قوانین اور سزائیں ضروری ہیں ساتھ ہی ان افراد کی بھی نکیل کسنے کی ضرورت ہے جو دہشت گردی کو مذہب سے جوڑ کر دیکھتے ہیں اور اپنی فتنہ انگیز بیان بازیوں کے ذریعہ خوش گوار ماحول خراب کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے۔ جیسا کہ رمضان المبارک کے مہینے میں اعظم گڑھ یو. پی. میں گورکھ پور سے بی جے پی کے ممبر پارلیمنٹ یوگی آدتیہ ناتھ نے دہشت گردی کے حوالے سے مسلمانوں کو کھلے عام نشانہ بنایا، شہر کے مسلم اکثریتی علاقے سے اپنے قافلے کو انتظامیہ کی اجازت نہ ہونے کے باوجود گزارتے ہوئے مسلم مخالف نعروں سے جذبات کو بر انگیختہ کیا، نتیجے میں شہر کا پر امن ماحول خراب ہو گیا اور پولس حالات پر کنٹرول کرنے کے بجائے خاموش تماشائی بنی رہی۔'' (ماہ نامہ اشرفیہ-نومبر 2008ء، ص:4)

تحریر و قلم سے ان کی دل چسپی کا یہ عالم تھا کہ اکثر رات رات بھر ماہ نامہ اشرفیہ کے سلسلے میں اپنی مصروفیات جاری رکھتے، روزانہ جامعہ اشرفیہ کے کمپیوٹر سینٹر بھی تشریف لاتے جہاں ماہ نامہ کی کمپوزنگ ہوتی ہے۔ ماہ نامہ کے سلسلے میں اکثر غور و فکر کرتے اور ماہ نامہ کو ترقی دینے کے لیے تدابیر کرتے رہتے تھے۔ ابھی حال ہی میں انھوں نے قارئین کے لیے ماہ نامہ اشرفیہ کی فراہمی، مشورے اور شکایات کے لیے ایس ایم ایس سروس شروع کی تھی، اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ ماہ نامہ اشرفیہ کی ترقی و ترویج کے لیے کوشاں رہتے تھے۔

جیسا کہ میں نے مذکورہ بالا سطور میں بیان کیا، وہ اپنے سینے میں ایک دلِ دردمند رکھتے تھے، اکثر میرے ذاتی مسائل کے حل کے لیے کوششیں کرتے رہتے تھے۔ سہ پہر 20/ فروری 2008ء کو جب میں کمپیوٹر سینٹر میں اپنا کام کر رہا تھا، اس وقت بذریعہ موبائل گھر سے خبر ملی کہ اعظم گڑھ کے ایک ماہر ڈاکٹر نے میرے بیٹے ابو رویحہ التمش کی میڈیکل جانچ کے بعد ٹیومر کی تشخیص کی ہے، تو میری حالت غیر ہو گئی۔ میں فوراً گھر جانے کے لیے روانہ ہوا، راستے میں مولانا شکیل صاحب سے ملاقات ہوئی، میری نم آنکھیں اور اترا ہوا چہرہ دیکھ کر بیتاب ہو گئے۔ میں نے ان سے تمام ماجرا بیان کیا، انھوں نے افسوس کا اظہار کیا، دعاؤں سے نوازا اور فوراً گھر پہنچنے کو کہا۔ پھر اسی دن شام میں خود مجھ سے ملے، اور حالات دریافت کیے۔ جب میں نے انھیں بتایا کہ آپریشن کے سلسلے میں کل بی ایچ. یو. وارانسی جانا ہے، تو انھوں نے بغیر کچھ کہے مجھے کچھ رقم پیش کی اور کہا کہ میں جو کچھ کر سکتا ہوں ضرور کروں گا۔ ان کے اس عمل نے میری نگاہ میں ان کا قد کچھ اور بلند کر دیا۔ جب تک میں بچے کو لے کر بنارس میں رہا، روزانہ متعدد بار فون کرتے بچے کی خیریت دریافت کرتے اور جب انھیں یہ معلوم ہوتا کہ بچہ مسلسل رو بہ صحت ہے تو قلبی مسرت کا اظہار فرماتے اور دعائیں دیتے۔

ان کا یہ رویہ صرف میرے ساتھ ہی نہیں تھا۔ یہاں جامعہ میں جتنے بھی ان کے متعلقین اور احباب ہیں سب کے ساتھ ان کا یہی رویہ تھا۔ دوسروں کے دکھ درد میں شریک ہونا، ان کے لیے دعائیں کرنا اور خوشی کے اوقات میں مسرتوں کا اظہار ان کا خاصہ تھا۔ جب بھی ملتے مسکراتے ہوئے ملتے، اگر کبھی خود ان کو کوئی تکلیف ہوتی تو بہت کم ہی کسی کو بتاتے تھے، وہ نہیں چاہتے تھے کہ میری تکلیف کی وجہ سے کسی اور کو بھی تکلیف پہنچے۔

ادھر نومبر 2008ء سے ماہ نامہ اشرفیہ کی اشاعت میں بعض ناگزیر وجوہات سے تاخیر ہونے لگی، اور جب جنوری و فروری 2009ء کے شمارے کی کمپوزنگ ہو رہی تھی، کام کا زبردست دباؤ تھا، ایک دن مزاح کے موڈ میں تھے یا شاید قدرتِ الٰہی ان کی زبان سے پیش آئندہ سانحہ کا اشارہ دینے والی تھی، انھوں نے کہا: ''پیامی صاحب! آپ فروری کا ماہ نامہ جلد سے جلد کمپوز کر دیجیے، اس کے بعد میں آپ کو ماہ نامہ کیا کسی بھی سلسلے میں تنگ نہیں کروں گا۔'' کسے معلوم تھا کہ ان کی کہی ہوئی بات صحیح ہو جائے گی اور وہ ہمیں رنج و غم کے ماحول میں چھوڑ کر اس دنیا سے ہمیشہ کے لیے چلے جائیں گے۔

10/ جنوری 2009ء کو رات ساڑھے دس بجے گھر پہنچا ہی تھا کہ موبائل پر بیل ہوئی، دیکھا تو سلام فیضی، گورکھ پور (شاعر و خطاط) کے نمبر تھے۔ میں نے سوچا کہ ضرور کوئی امرجنسی کام ہے کہ اس وقت انھوں نے فون کیا ہے۔ ریسیو کیا تو بعدِ سلام انھوں نے پوچھا کہ مولانا شکیل صاحب کی کچھ خبر ہے؟ میں نے کہا، ''ابھی دن میں ان سے بات ہوئی تھی، اس وقت دفتر میں ہوں گے یا اپنے کمرے میں سو رہے ہوں گے۔'' انھوں نے کہا: ''ابھی جاوید چشتی صاحب نے فون پر بتایا کہ اچانک ان کا انتقال ہو گیا ہے۔'' یہ سن کر کچھ دیر تک تو سکتے کی سی کیفیت طاری رہی۔ اسی درمیان فیضی صاحب نے بتایا کہ مولانا مرحوم کو اسلامیہ اسپتال لے کر گئے ہیں اور اس وقت تمام لوگ وہیں ہیں۔ میں فوراً ہی گھر سے نکلا، راستے، میں جاوید چشتی صاحب سے فون پر بات ہوئی تو انھوں نے اس خبر کی تصدیق کی۔ اسپتال پہنچے تو ڈاکٹر قمر الہدیٰ انصاری صاحب

(باقی، ص:56 پر)

اشک باریاں

اب انھیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر

مولانا شکیل احمد مصباحی ایک ذمہ دار اور مخلص مدیر تھے

10 رجنوری ایک شنبہ کی شب کو زیر درس کتابوں کے مطالعے اور دیگر مصروفیات سے فارغ ہو کر بستر پر پہنچا ہی تھا کہ موبائل کی گھنٹی بجی۔ مادرِ علمی جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے مولانا سید صابر علی مصباحی رابطہ کر رہے تھے، فون ریسیو کیا، تبادلۂ سلام اور پرسشِ احوال کے بعد سید صاحب نے یہ روح فرسا خبر سنائی کہ ابھی کچھ دیر قبل ماہ نامہ اشرفیہ کے نائب مدیر مولانا شکیل احمد مصباحی رحلت فرما گئے۔ ذہن و دماغ پر ایک بجلی سی گری اور کانوں پر یقین نہیں آیا۔ یقین آتا بھی کیسے؟ ابھی تو کچھ دیر قبل ٹھیک دس بجے شب ان سے فون پر گفتگو ہوئی تھی، روز کی طرح آج بھی ہشاش بشاش تھے۔ خیر و عافیت دریافت کرنے کے بعد فرمایا کہ مارچ کا شمارہ پریس جانے والا ہے۔ بزمِ دانش کے لیے اپنا مضمون کل ہی فیکس کر دیجیے، پھر، مادرِ علمی کی علمی و ادبی سرگرمیوں اور ماہ نامہ اشرفیہ کے احوال و کوائف سے متعلق چند منٹوں تک گفتگو ہوتی رہی۔ آج مجھے کیا خبر تھی کہ موصوف کے ساتھ میری یہ آخری گفتگو ہے۔

مولانا شکیل احمد مصباحی تقریباً ۴ رسالوں سے ماہ نامہ اشرفیہ کے نائب مدیر کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں کو نہایت محنت و لگن، ذوق و شوق اور خوش اسلوبی سے انجام دے رہے تھے۔ مادرِ علمی کے ترجمان ماہ نامہ اشرفیہ سے شروع ہی سے میرا قلبی لگاؤ رہا۔ استاذ گرامی مولانا مبارک حسین مصباحی اور دیگر اساتذہ کی شفقتوں اور عنایتوں سے تحریر و قلم اور تحقیق و مطالعہ سے بھی خاصا شغف ہو گیا تھا۔ اکثر ان (اساتذہ) کی بارگاہ میں حاضر ہو کر کسبِ فیض کیا کرتا۔ 2005ء میں جب مولانا مرحوم رسالے کے نائب مدیر منتخب ہوئے تو اسی توسط سے ان سے بھی گہرے روابط پیدا ہو گئے۔ مادرِ علمی میں تحصیلِ علم کے دوران میرا اور میرے ہم سبق دوست مولانا قطب الدین رضا مصباحی کا اکثر ماہ نامہ کے دفتر میں آنا جانا رہتا۔ موصوف نہایت خوش اخلاقی سے ملتے، عزت و احترام کے ساتھ بٹھاتے اور ماہ نامہ اشرفیہ کی تزئین و ترقی کے لیے تبادلۂ خیال ہوتا، مشورے ہوتے۔ مولانا اپنی جیبِ خاص سے ضیافت کا بھی اہتمام فرمایا کرتے۔ آفس میں آنے والے ہر مہمان کے ساتھ ان کا یہی برتاؤ ہوتا۔ ماہ نامہ کے تعلق سے کسی ممبر کو کوئی شکایت ہوتی تو نہایت سنجیدگی سے ان کی شکایت سنتے اور فوراً اس کا ازالہ بھی فرماتے۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا مرحوم نے کبھی بھی اپنے آپ کو رسالے کا ملازم نہیں سمجھا، بلکہ ایک مخلص خادم اور اپنی مادرِ علمی کے ایک وفادار فرزند کی حیثیت سے ماہ نامہ کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے ہمیشہ جد و جہد کرتے رہے۔ میں نے بارہا انھیں دیر رات تک آفس میں بیٹھے رسالے کے کاموں میں مصروف دیکھا۔ وصال سے کچھ دیر قبل بھی موصوف ماہ نامہ کے دفتر ہی سے مجھ سے رابطہ کر رہے تھے۔

مولانا مرحوم نے 2000ء میں جامعہ اشرفیہ سے درسِ نظامی کی تکمیل کی پھر دار العلوم غوثیہ حضوریہ سریاں اعظم گڑھ میں تدریسی فرائض انجام دیتے تھے۔ تحریر و قلم سے فطری لگاؤ کے سبب درس و تدریس کے ساتھ ساتھ ماہ نامہ "جام حضوری" سریاں سے بھی وابستہ رہے۔ بلکہ دو سال تک اس کی ادارت کی ذمہ داریاں بھی سنبھالیں۔ مبارک پور آنے کے بعد ان کی علمی سرگرمیوں میں اضافہ ہو گیا۔ ماہ نامہ اشرفیہ میں ان کے متعدد مضامین شائع ہوئے، ابھی حال ہی میں نومبر کے شمارے کے لیے ایک وقیع اداریہ قلم بند فرمایا، جسے قارئین نے پسند کیا۔

مولانا موصوف کی رحلت کی خبر سن کر جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف کے اساتذہ و طلبہ نے شدید رنج و غم کا اظہار کیا۔ مولانا مرحوم کی رحلت ماہ نامہ اشرفیہ، جامعہ اشرفیہ اور ان کے اہل خانہ کے لیے عظیم سانحہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ ادارۂ اشرفیہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین۔

محمد ساجد رضا مصباحی، استاذ جامعہ صمدیہ، پھپھوند شریف

ایک روشن دماغ تھا، نہ رہا

12 محرم الحرام 1430ھ/10 رجنوری 2009ء کی شب تھی۔ طبیعت ناساز ہونے کی وجہ سے بعد نمازِ عشا میں جلد ہی محوِ خواب ہو گیا۔ رات کے تقریباً گیارہ بجے تھے کہ مولانا شہاب الدین مصباحی جو فی الحال الجامعۃ الاشرفیہ میں شعبۂ تحقیق فی الفقہ کے ریسرچ اسکالر ہیں، میرے روم میں داخل ہوئے اور سرہانے آکر بولے، امتیاز بھائی! بڑے ہی رنج و غم کی بات ہے، میں فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا، دیکھا کہ ان کے چہرے پر رنج و الم کے آثار نمایاں تھے، میں نے کہا، بتائیے تو سہی کیا بات ہے؟ انھوں نے کہا کہ مولانا شکیل احمد مصباحی معاون مدیر ماہ نامہ اشرفیہ کا ابھی کچھ دیر پہلے انتقال پر ملال ہو گیا۔ یہ خبر بجلی بن کر گری اور میرے جسم پر کپکپی طاری ہو گئی اور سخت سردی کے باوجود پسینہ آنے لگا۔ میں نے کہا، کیا سچ! مولانا شکیل صاحب کا انتقال ہو گیا؟ انھوں نے کہا، ہاں! ابھی میرے ہی موبائل پر حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صاحب قبلہ کے نام فون آیا تھا۔ میری آنکھوں سے اشک جاری ہو گئے، پھر بھی میرے دل کو یقین نہیں آرہا تھا، اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ مخبر نے سننے میں غلطی کی ہے اور کچھ کا کچھ مجھے بتا دیا ہے۔ میں نے فوراً الجامعۃ الاشرفیہ کے استاذ اور ماہ نامہ اشرفیہ کے مدیر مولانا مبارک حسین مصباحی کے پاس فون کیا، جو اس وقت مبارک پور ہی میں جشنِ شہدائے کربلا کے کسی اجلاس میں بحیثیت خطیب مدعو تھے اور اسٹیج ہی پر جلوہ فرما تھے۔ میں نے کہا، حضرت! کیا کوئی حادثہ ہوا ہے؟ انھوں نے میرا نام پوچھنے کے بعد بتایا کہ ہاں انتہائی افسوس کی بات ہے کہ مولانا شکیل صاحب کا انتقال ہو گیا، جو فی الحال اسلامیہ اسپتال مبارک پور میں ہیں۔ اب دلِ حزیں کو یقین ہو گیا کہ واقعۃً میرے عزیز دوست ماہ نامہ اشرفیہ کے نائب مدیر مولانا شکیل احمد مصباحی ہم سب کو داغِ مفارقت دے کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.

حضرت مصباحی صاحب و نعمانی صاحب قبلہ کی معیت میں ہم اسلامیہ اسپتال مبارک پور قصبہ پہنچے، دیکھا کہ کافی لوگ غم و الم کی تصویر بنے باہر کھڑے ہیں۔ ہم نے ان کا آخری دیدار کیا، دل فرطِ غم سے نڈھال تھا اور آنکھیں اشک برسا رہی تھیں۔ کیفیت دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ کوئی دس پندرہ منٹ کے اندر اندر یہ دل دوز واقعہ پیش آیا۔ طبیعت کچھ مضمحل ہو گئی۔ ڈاکٹر کے پاس لے جانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں کہ راستے ہی میں ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ ان کی موت نے ہر شخص کو سوگوار اور ہر دل کو رنجیدہ کر دیا۔ ابھی انھوں نے زندگی کی تیس بہاریں بھی نہ دیکھی تھیں، غیر شادی شدہ تھے، اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔

مولانا مرحوم ایک باغ و بہار، خوش مزاج، خوش گفتار اور خوش اخلاق شخص تھے۔ ہر شخص کے لیے ان کے دل میں شفقت و محبت کا جذبہ موجزن رہتا تھا۔ اپنے حسنِ اخلاق اور اچھے سلوک کی وجہ سے لوگوں کا دل جیت لیتے تھے۔ مولانا مرحوم کا آبائی وطن ایجور اقصبہ پریم نگر ضلع فتح پور (یو. پی.) تھا جو الہ آباد شہر سے تقریباً 100 رکلو میٹر پچھم کی جانب واقع ہے۔ والد گرامی جناب عبد الرشید صاحب جھارکھنڈ میں سرکاری ملازمت کرتے ہیں۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن ہی میں حاصل کی، اس کے بعد درجاتِ عالیہ کی اچھی تعلیم کے لیے جامعہ امجدیہ گھوسی میں داخلہ لیا اور پھر الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں اعلیٰ تعلیم کا جذبہ لے کر تشریف لائے اور 2000ء میں سندِ فضیلت سے نوازے گئے۔ معلومات کے مطابق انھوں نے فراغت کے بعد دار العلوم غوثیہ حضوریہ سریا اعظم گڑھ یو پی میں درس و تدریس کا فریضہ انجام دیا اور بہ حسن و خوبی محنت و انہماک کے ساتھ تشنگانِ علومِ نبویہ کی علمی پیاس بجھاتے رہے اور درس و تدریس کے زمانے میں دار العلوم غوثیہ حضوریہ کے دینی، علمی، روحانی اور اخلاقی ترجمان سہ ماہی "جام حضوری" کی ادارت کا بھی فریضہ انجام دیتے رہے۔ اور جب تک اس سے منسلک رہے اس رسالے کو اچھے سے اچھے انداز میں قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعی کرتے رہے۔ مولانا مرحوم کو لکھنے پڑھنے کا اچھا ذوق تھا اور اسی کام میں ان کا وقت صرف ہوتا تھا، ان کے دینی، اخلاقی، سیاسی مضامین مختلف رسالوں کی زینت بن چکے تھے۔ تحریر شستہ اور رواں ہوتی۔ انھوں نے تقریباً ماہِ جون 2005ء میں ماہ نامہ اشرفیہ آفس میں بحیثیت نائب مدیر ذمہ داری سنبھالی اور اس کے بعد اب تک مسلسل ایک ذمہ دار شخص کی حیثیت سے اس فریضہ کو انجام دیتے رہے۔ مولانا مرحوم روشن خیال، بلند نگاہ، شگفتہ اور متحرک و فعال شخصیت کے مالک تھے۔ مولانا مبارک حسین مصباحی کے دستِ راست اور اچھے معاون و مددگار تھے۔ انھوں نے اپنے حسنِ خدمت اور ایمان داری و دیانت داری کی بنیاد پر الجامعۃ الاشرفیہ کی انتظامیہ اور ذمہ داران کا دل جیت لیا تھا اور سبھی حضرات ان کے حسنِ کارکردگی کے مداح و معترف تھے۔ مولانا مرحوم میرے ایک دانش مند مشیر تھے۔ دار العلوم حضوریہ میں تدریس کے دوران ہی میرے ان سے تعلقات تھے، لیکن الجامعۃ

الاشرفیہ میں ان کی آمد کے بعد تعلقات میں مزید استحکام آ گیا تھا۔ تنظیم ابنائے اشرفیہ کی ملازمت کے زمانے میں آفس میں آتے اور ہم دونوں کے درمیان گھنٹوں باتیں ہوتیں۔ مولانا کسی کی برائی نہ کرتے، لاکھ کسی سے تکلیف پہنچے غائبانہ بھی برائی نہ کرتے۔ سچائی، خلوص، ایمان داری، حقیقت پسندی اور غیر جانب داری کو انھوں نے اپنا وطیرہ بنالیا تھا۔ ان میں عصبیت، تنگ نظری اور کسی قسم کی جانب داری بالکل نہ تھی۔ وہ اپنے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دیتے۔ ان کے عمل میں یکسوئی اور انہماک تھا۔ ہر وقت ماہ نامہ کی ترویج و ترقی کے لیے کوشاں رہتے۔ قلم کار حضرات سے رابطہ کرتے، مضامین کا مطالبہ کرتے اور ماہ نامہ اشرفیہ کو ترقی کے بام عروج پر پہنچانے کے لیے ہر ممکن تدابیر اپناتے۔ موجودہ دور قحط الرجال میں ایسے نیک خصلت، فیروز مند فرد کا اٹھ جانا ایک قومی نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ ماہ نامہ اشرفیہ کو ان کا بدل عطا فرمائے۔

ان کے جسد خاکی کو اسی رات ساڑھے بارہ بجے والدین کی خواہش پر فتح پور کے لیے روانہ کر دیا گیا۔ دوسرے دن 2/ بجے کے قریب ان کے مغموم اہل خانہ فتح پور پہنچے اور 4/ بجے شام ان کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔ ان کی نمازِ جنازہ مولانا ہارون رشید فتح پوری نے پڑھائی اس کے بعد غم زدہ افراد نے انھیں سپرد خاک کیا۔ اللہ تعالیٰ پس ماندگان اور متعلقین ومحبین کو صبر جمیل اور مولانا مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔

امتیاز احمد مصباحی، المجمع الاسلامی، ملت نگر، مبارک پور

افسوس! میرا یار مجھ سے بچھڑ گیا

10/ جنوری کی رات تھی میں جشن شہید اعظم بیگن واڑی گونڈی کے پروگرام سے فرصت پا کر اپنے کمرے میں مطالعۂ کتب میں مصروف تھا کہ اچانک موبائل کی گھنٹی بجی، اسکرین پر ابھرنے والے نمبر کو دیکھا تو فوراً خیال ہوا کہ یہ مولانا شکیل احمد مصباحی صاحب ہی ہو سکتے ہیں مگر جب فون اُٹھایا تو میرا خیال غلط ثابت ہوا۔ آنے والی آواز مولانا ساجد رضا مصباحی جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف کی تھی مولانا نے جو کچھ کہا اس نے میرے ہوش اُڑا دیے، اعضا ڈھیلے پڑ گئے، آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا، ذہن ودماغ پر غم والم اور حسرت و یاس نے قبضہ جما لیا بس زبان سے اتنا نکل پایا "انا للہ و انا الیہ راجعون"

مولانا ساجد رضا صاحب نے فرمایا کہ رہبر بھائی مولانا شکیل احمد مصباحی صاحب آج 10/ بج کر 30/ منٹ پر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ پتہ نہیں کیوں ان کی بات مجھے ایک پاگل کی بڑ سی لگی۔ جھوٹ کا پلندہ لگا شاید وہ مجھے مضطرب کرنے کے لیے میری محبت کا امتحان تو نہیں لے رہے ہیں۔ نہیں ایسا وہ نہیں کر سکتے ہیں انہوں نے کبھی اتنا بھونڈا مذاق تو نہیں کیا تو پھر یہ کیا ہے...... کیا ان کی بات صحیح ہے جبکہ ابھی ابھی ان کی کلکاریاں میرے دل ودماغ کو فرحت بخش رہی تھیں اور ابھی...... نہیں ایسا نہیں ہو سکتا ہے۔ بالآخر فوراً میں نے مولانا شکیل احمد مصباحی کے نمبر پر فون کیا تو میرا فون ریسو کر لیا گیا۔ ایک لمحہ کے لیے میں خوش گمانی میں مبتلا ہو گیا مگر موبائل اگرچہ مولانا علیہ الرحمہ کا تھا مگر آواز محب گرامی حافظ معین الدین صاحب کی تھی۔ انہوں نے فرمایا کہ رہبر صاحب کیا آپ قدرت کے نظام کو بدل سکتے ہیں اگر نہیں تو پھر اس کی رضا پر راضی رہیے اور مولانا کے لیے مغفرت کی دعا کیجیے ہم لوگ ان کی لاش کو لے کر ان کے گھر کی طرف روانہ ہو چکے ہیں۔ سلام ودعا کے بعد فون بند کیا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی موت کی حقیقت کو تسلیم کرنا پڑا اور فوراً وماتیسر من القرآن ایصال ثواب کیا۔ مولانا علیہ الرحمہ کے راقم الحروف کے ساتھ دیرینہ تعلقات تھے۔ وہ میرے ہم سفر، بہترین مشفق دوست تھے۔ میرے اوپر ان کی بہت ہی کرم فرمائیاں ہیں۔ مولانا جواں سال قلم کار تھے، ماہنامہ اشرفیہ کے معاون مدیر تھے۔ مستقبل میں لوح وقلم کے حوالے سے ملت اسلامیہ کی خدمت کرنے کا ایک عظیم منصوبہ رکھتے تھے مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا اس کے سامنے تو کسی کی نہیں چلتی وہ دلوں کے بھید کو سب سے بہتر جاننے والا ہے۔ مولانا کا تعلق ضلع فتح پور یوپی سے تھا، خوش اخلاق، خوش مزاج اور شفقت ومحبت اور خدمت خلق میں اسلاف کرام کی جھلک ان کے اندر صاف محسوس ہوتی تھی۔ میں اپنے قارئین سے عاجزانہ اپیل کرتا ہوں کہ مولانا محمد شکیل احمد مصباحی معاون مدیر ماہنامہ اشرفیہ کے لیے دعائے مغفرت کریں۔ میری دعا ہے کہ مولیٰ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

صابر رضا **رہبر** مصباحی، روز نامہ ہندستان ٹائمس، ممبئی

اُن کی یادیں میرا تعاقب کرتی رہیں گی

10/ جنوری کی شب میں تقریباً 12/ بجے ہمارے فاضل دوست مولانا قطب الدین رضا مصباحی نے موبائل پر یہ خبر سنائی کہ ماہ نامہ اشرفیہ کے نائب مدیر محترم مولانا شکیل احمد مصباحی رات قریب ساڑھے دس بجے انتقال کر گئے۔ مجھ پر ایک لمحے کے لیے سکتہ طاری ہو گیا اور جب تک نیند نے مجھے اپنی آغوش میں نہ لے لیا تب تک ان کی یادیں میرا تعاقب کرتی رہیں۔ زمانۂ طالب علمی میں ان کی رفاقت، ملاقتیں، نشست و برخواست کی سبھی تصویریں ذہن کے پردے پر چمکتی رہیں، مولانا شکیل صاحب بڑے خلیق وملنسار تھے پچھلے تقریباً چار سال سے ماہ نامہ اشرفیہ کے نائب مدیر کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں کو بڑی خوش اسلوبی سے نبھا رہے تھے۔ مقالہ نگاروں سے مضامین کا تقاضا، پروف ریڈنگ، چھان پھٹک اور اس طرح کے دوسرے کام کوئی آسان بات نہیں وہ لکھتے تو بہت کم تھے مگر فکری سطح پر بلند تھے۔ پچھلے کئی روز سے بذریعہ موبائل ان سے برابر میرا رابطہ تھا۔ ۱۰/ جنوری کی صبح مجھے تقریباً ساڑھے دس بجے موصوف نے میرے پاس فون کیا تھا کہ میں ماہ نامہ اشرفیہ کے لیے مضمون لکھوں مگر مجھے کیا معلوم تھا کہ میں جس سے موبائل سے روبرو ہوں رات کو عدم کی چادر لپیٹ کر ہمیشہ کے لیے سو جائے گا اور اس کی صبح قیامت ہی میں ہوگی۔ مولانا شکیل احمد صاحب میرے بڑے اچھے دوستوں میں سے تھے۔ مولانا موصوف نے اپنی عمر کی تیسری دہائی بھی مکمل نہ کی تھی کہ وہ اپنی زندگی سے شکست کھا گئے اللہ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ ترین مقامات سے نوازے۔ اور ان کے اہل خانہ، اعزا واحباب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

محمد صادق رضا مصباحی، رضا اکیڈمی، ممبئی

ماہ نامہ اشرفیہ کے لیے ایک عظیم سانحہ

محرم کی تعطیل کے بعد جب جامعہ میں حاضر ہوا تو سب سے پہلے مولانا قاسم مصباحی سے ملاقات ہوئی رسمی سلام کلام کے بعد انہوں نے یہ دل دوز خبر سنائی کہ مولانا شکیل صاحب کا انتقال ہو گیا۔ کچھ دیر تک تو سمجھ ہی نہ سکا کہ کون مولانا شکیل! موت جس کے یقینی ہونے پر ہر بشر کا ایمان ہے اور اس پر بھی ایمان ہے کہ اس کے لیے کسی عمر اور کسی وقت کی قید نہیں، اس کے باوجود میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میرے کرم فرما مولانا شکیل احمد مصباحی ماہ نامہ اشرفیہ کے جواں سال نائب مدیر کا انتقال ہو سکتا ہے۔ بہت دیر تک ذہن کی عجیب کیفیت رہی زبان سے "انا للہ و انا الیہ راجعون" کے علاوہ کچھ بھی نہ نکل سکا۔ کچھ دیر بعد جب جی سنبھلا تو مولانا مرحوم کی یادیں نظروں کے سامنے گھومنے لگیں۔

مرحوم انتہائی خلیق، ملنسار اور مہربان انسان تھے، جب بھی ملتے خلوص کے ساتھ ملتے، بازار میں واقع دفتر ماہ نامہ اشرفیہ میں جب بھی جانے کا اتفاق ہوا، مرحوم کو اپنے کام میں منہمک پایا، وہ اپنے فرض کی ادائیگی میں کبھی کوتاہی نہیں کرتے تھے، وقت کی قدر کرتے تھے اور ہمیشہ خود کو کسی نہ کسی کام میں مصروف رکھتے تھے۔ انھوں نے ہمیشہ ماہ نامہ اشرفیہ کی ترقی وترویج کے لیے بہترین کارگزاریاں پیش کیں، شاید ان کے خلوص، ایمان داری، کام کے سلسلے میں ان کی لگن اور محنت ہی کا نتیجہ تھا کہ لوگ ان سے محبت کرتے تھے، ان کے قرب کے خواہاں رہتے تھے۔ مولانا کی زندگی یقیناً ہمارے لیے نمونۂ عمل ہے۔

قارئین سے مولانا مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ دعا ہے کہ مولا تعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے وطفیل مولانا مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے متعلقین ومحبین کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ آمین

محمد اسلام مصباحی، شعبۂ کمپیوٹر، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

موت! اپنی جیت پہ نازاں نہ ہو

رات میں جب میرے چھوٹے بھائی ضمیر احمد (ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی۔) منیجر عبد اللہ پبلک اسکول نے مجھے یہ خبر سنائی کہ مولانا شکیل احمد مصباحی، نائب مدیر ماہ نامہ اشرفیہ کا اچانک انتقال ہو گیا ہے۔ اس خبر کو سن کر میرے حواس گم ہو گئے، مجھے اتنا بھی پتہ نہ چلا کہ کیا وقت ہوا ہے، میں غم و اندوہ سے ڈھال تھا، گھر کے سبھی لوگ جاگ گئے تھے۔ جب میرے حواس کچھ صحیح ہوئے تو میں مولانا شکیل صاحب کی رہائش گاہ پر جانے کی تیاری

کرنے لگا۔ تب تک میرے دوسرے چھوٹے بھائی ظفیر احمد (پی سی ایس) اسسٹنٹ کمشنر نے اطلاع دی کہ مولانا شکیل احمد مصباحی کا جسد خاکی ان کے وطن فتح پور روانہ ہو گیا ہے۔ میرے پاس الفاظ کا سرمایہ بہت کم ہے، دل کھول کر نہیں دِکھا سکتا، دل کی حالت بیان کرنے سے قاصر ہوں، دل پھٹ گیا ہے، دل کے ٹکڑوں کو کیسے دِکھا سکتا ہوں، جس طرح نبض ڈوب جاتی ہے اسی طرح میری سوچیں عمیق سمندر میں ڈوب گئی ہیں۔ یہ جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حی وقیوم ہے اور یہ بھی مانتا ہوں کہ زندگی اور موت کو اسی نے پیدا کیا ہے، اس پر بھی ایمان ہے کہ زندگی کو دوام حاصل ہے اور موت کی عمر آنکھ کی ایک جھپک سے زیادہ نہیں ہے۔ جس دن مولانا اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے تھے شام کو میں ان کے کمرے میں پہنچا، سلام وعلیک کے بعد مولانا مرحوم نے اچانک مجھ سے کہا کہ ماہِ محرم کے تعلق سے کوئی شعر سنایئے۔ میں نے عرض کیا

غرور ٹوٹ گیا، مرتبہ نہ ملا
جفا کے بعد بھی حاصلِ جفا نہ ملا
سرِ حسین یزید کو ملا لیکن
شکست یہ ہے کہ سر جھکا نہ ملا

مولانا مصباحی نے داد وتحسین کے بعد دوسرے شعر کی فرمائش کی۔ اس مرتبہ میرے منہ سے بے ساختہ یہ اشعار وارد ہوئے

اک طرف ہے موت واقف اک طرف ہے زندگی
کیا پتہ کس سمت ہم کو یہ صدی لے جائے گی

کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد میں نے اُن سے اجازت چاہی اور اجازت مل گئی۔ صبح میں اپنے صاحب زادے غزالی جمیل سلمہ کے ساتھ دنیا کی عظیم ترین دینی وعلمی درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ پہنچا۔ وہاں طلبہ واساتذہ کے غم ناک چہروں کو میں دیکھتا رہا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اس عظیم ادارے کی بلند عمارتوں نے ماتمی لباس پہن لیا ہے اور وہ بھی اپنے عزیز کے غم میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ یہ منظر مجھ سے دیکھا نہ گیا۔ میں نے اپنے صاحب زادے غزالی جمیل سلمہ سے کہا کہ گاڑی سبک کرو اور مجھے دفتر ماہ نامہ اشرفیہ تک چھوڑ دو۔

ابھی چند ہی دن پہلے اسی دفتر سے میری شکیل احمد سلمہ سے رفاقت کا آغاز ہوا تھا۔ میں آج ذاتی طور پر یہ سوچنے پر مجبور ہوں کہ ایسی زندگیاں آناً فاناً ہم سے بچھڑ جاتی ہیں جن سے ہم جینے کا حوصلہ پاتے ہیں، جو شخص ذہنی اعتبار سے اس قدر صحت مند ہو، جس کے اندر کائنات کی ہر خوب صورت شے سے لطف اندوز ہونے کا ایسا شدید جذبہ ہو، جو بڑے بڑے دُکھوں کو ہنس کر جھیل جانے کی صلاحیت رکھتا ہو، جو چھوٹی چھوٹی خوشیوں سے بڑی بڑی مسرتیں حاصل کر سکتا ہو، کیوں ایسے کمیاب انسانوں کو موت اپنا نشانہ بنا لیتی ہے؟

کبھی کبھی خیال آتا ہے کہ ان کے وہی دوست اور ملاقاتی خوش نصیب تھے جو ان سے کم ملے تھے اور جن کو شاید اس نقصان کا پوری طرح احساس نہیں، اس خلا کا اندازہ نہیں جو ان کی موت سے پیدا ہو گیا ہے۔ ان کے مقابلے جنھوں نے اس گوہر گراں مایہ کو قریب سے اور عرصے سے دیکھا اور پرکھا اور برتا تھا، لیکن سوچتا ہوں یہ بھی غم نصیب زیادہ خوش نصیب ہیں۔ محبت کرنا اور کر کے کھو دینا اس سے کہیں بہتر ہے کہ سرے سے محبت ہی نہ کی جائے۔ غم کی یہ خلش بڑی دولت ہے اور بڑی نعمت

غنچے خموش، پھول پریشاں، چمن اداس
کیا کہہ گئی ہے موجِ صبا، سوچنا پڑا
وہ لوگ ہم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیے
ڈھونڈا تھا آسماں نے جنھیں خاک چھان کر

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ اور طفیل میں مرحوم کی مغفرت فرمائے اور ان کے عزیز واقارب اور ان کے جملہ لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

جمیل انصاری (علیگ) ولد الحاج عبد اللہ صاحب مرحوم چیر مین، مبارک پور

ایک تارا اور ٹوٹا، اور بڑھی تاریکی

10 رجنوری 2009ء سنیچر کی شام بعد نمازِ عشا حسب معمول طلبہ تخصص فی الفقہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ کچھ لوگ درسیات کا مطالعہ کر رہے ہیں، اور کچھ لوگ مقالہ نگاری میں مشغول ہیں۔ تقریباً رات کے گیارہ بج گئے۔ اسی اثنا میں مولانا رفیع القدر صاحب مصباحی نے دروازے پر دستک دی اور کہنے لگے کہ کیا آپ لوگوں میں سے کسی کے پاس المجمع الاسلامی کا نمبر ہے؟ میں کھڑا ہوا، موبائل آن کیا اور مولانا

شہاب الدین مہراج گنجوی کا نمبران کے حوالے کر کے واپس اپنی جگہ کام میں مصروف ہو گیا۔ مولانا شہاب الدین باندوی جو کمرے سے باہر فون پر باتیں کر رہے تھے، آئے اور کہنے لگے کہ ماہ نامہ اشرفیہ کے نائب مدیر مولانا شکیل احمد مصباحی کے بارے میں مولانا رفیع القدر صاحب حضرت مصباحی صاحب قبلہ سے کچھ باتیں کر رہے ہیں، شاید ان کے گھر میں کسی کا انتقال ہو گیا ہے۔ میرے کانوں سے بھی آواز ٹکرائی لیکن میں زیادہ توجہ نہ دے سکا۔ محب محترم سید صابر علی نوری مصباحی اٹھے، موبائل لیے، باہر تشریف لے گئے اور چند ہی منٹ کے بعد تیزی سے دروازہ کھولا اور کہنے لگے، کیا آپ لوگوں کو معلوم ہے؟ مولانا شکیل احمد مصباحی اب اس دنیا میں نہ رہے۔ اتنا سننا تھا کہ پیروں تلے زمین کھسک گئی، دل دھڑکنے لگا، ہونٹ کپکپانے لگے، آنکھیں اشک بار ہوئیں اور جسم کے تمام اعضا میں تھرتھراہٹ کی کیفیت محسوس ہونے لگی، سید صاحب سے بار بار پوچھنے لگے، کیا واقعی ایسا ہوا ہے، کہیں ایسا تو نہیں کہ ان کے گھر میں کسی کا وصال ہوا ہو اور آپ کو سننے میں شبہہ ہوا ہو، کوئی کہنے لگا، ارے! ایسا کیسے ہو سکتا ہے، ہم نے کل ہی تو ان سے ملاقات کی، ان کی طبیعت بھی زیادہ خراب نہیں تھی۔ دل کسی بھی طرح اس خبر کو تسلیم کر لینے کے لیے تیار نہیں۔ اس خبر کی تصدیق کے لیے شہاب الدین باندوی نے موبائل اٹھایا اور خود مولانا شکیل احمد مصباحی کے نمبر پر کال کی۔ گھنٹی بجنے لگی، دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں، کسی نے مولانا کے موبائل کو ریسیو کیا۔ السلام علیکم، وعلیکم السلام، مولانا کی طبیعت کیسی ہے، آواز آئی مولانا صاحب داغِ مفارقت دے گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اخیر کار قضائے الٰہی کل نفسٍ ذائقۃ الموت۔ اور فاذا جاء اجلھم لایستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون۔ کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا پڑا۔

پھر کیا تھا، سب لوگ اسلامیہ اسپتال کی تیاری کرنے لگے، جہاں مولانا کا وصال پر ملال ہوا۔ مولانا ذو الفقار علی مصباحی کمرے کی حفاظت کے لیے ٹھہر گئے، باقی افراد تیز تیز قدموں سے اسلامیہ اسپتال مبارک پور کی طرف چلنے لگے۔ ٹھنڈک کافی تھی، کہرے کی وجہ سے آس پاس کی چیزیں بھی مشکل سے نظر آ رہی تھیں۔ انڈیا گیسٹ ہاؤس سے کچھ پہلے کچھ افراد نظر آئے، قریب جانے پر معلوم ہوا، خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور اور مبلغ اسلام حضرت علامہ عبد المبین نعمانی صاحب چند طلبہ کے ساتھ اسلامیہ اسپتال کی طرف رواں دواں ہیں۔ ہم لوگ بھی ان کے پیچھے پیچھے اسلامیہ اسپتال پہنچے۔ دیکھا تو سب لوگ رنج وغم میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ چہروں سے بشاشت اور لبوں سے مسکان غائب ہے اور آنکھیں پُرنم ہیں۔ ہم لوگ مولانا کے قریب ہوئے، چہرے سے چادر ہٹائی گئی، چہرہ کھلا ہوا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مولانا آرام فرما رہے ہیں۔ یقیناً ایک مردِ مومن اپنے وصال کے بعد آرام ہی کرتا ہے۔ جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے، ''زمین کے اوپر کام، زمین کے نیچے آرام۔'' یقیناً مولانا حافظ ملت کے اس قول کے صحیح مصداق ٹھہرے، جب تک باحیات رہے تحریری، تدریسی اور تقریری ہر طرح سے دین متین کی خدمات انجام دیتے رہے اور اسی دوران اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوئے۔

تھوڑی ہی دیر میں ناظم اعلیٰ جناب حاجی سرفراز صاحب نے ٹاٹا سومو منگوائی، مولانا کی نعش اس میں رکھی گئی، کچھ احباب بھی ساتھ ہو لیے۔ ڈرائیور نے ناظم صاحب سے اجازت لے کر گاڑی اسٹارٹ کی، ہارن بجایا اور مولانا کے آبائی وطن فتح پور کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہم لوگ بھی آنکھوں میں آنسو لیے، چہروں میں اداسی لیے اور دلوں میں اضطراب لیے جامعہ اشرفیہ کی طرف ہلکے قدموں سے بڑھنے لگے۔

مولانا تو چلے گئے لیکن اپنی بہت سی یادیں ہم میں چھوڑ گئے جو رہ رہ کر ہمیں ان کی غیر موجودگی کا احساس دِلاتی رہیں گی۔ مولانا بہت خوش اخلاق، ملنسار اور حلیم وبردبار تھے۔ جامعہ اشرفیہ کے اساتذہ، طلبہ اور اراکین سب لوگ مولانا سے خوش تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مولانا مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور ہم سب کو اور ان کے اہلِ خانہ کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے اور ماہ نامہ اشرفیہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین۔

ابر رحمت ان کے مرقد پر گہر باری کرے
حشر تک شانِ کریمی ناز برداری کرے

محمد رفیق الاسلام مصباحی، پانچ ڈمٹھی اسلام پور، اتر دیناج پور، بنگال

مولانا شکیل مرحوم ایک با اخلاق انسان تھے

دنیا ایک مسافر خانہ ہے، موت کا نقارہ بجتے ہی یہاں سے ہر ایک کو چار و ناچار رخت سفر باندھنا پڑتا ہے۔ یہی قانون فطرت ہے، یہی وعدۂ الٰہی ہے۔ آمد ورفت کا یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔ اس شاہراہِ حیات میں ان گنت لوگ قدم رکھتے ہیں اور اپنی حیات مستعار کا سفر طے کر کے بالآخر موت کی

آغوش میں چلے جاتے ہیں اوران کا نام لینے والا کوئی نہیں ہوتا۔لیکن کچھ ہستیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جواپنی قابلِ قدر خصوصیات اورشرافت واخلاق کی وجہ سے بعدوفات بھی انسانی ذہنوں میں باقی رہتی ہیں۔لوگ انھیں یادکر کےان کے محاسن وکمالات کوعقیدت ومحبت کاخراج پیش کرتے ہیں۔

مولانا شکیل مرحوم انھیں بااخلاق اورصاحب کردار انسانوں میں سے ایک تھے۔علم اوراخلاق جوکہ اپنی حقیقت اور ماہیت کے لحاظ سے دو الگ قابلِ تعریف وصف ہیں، مولانا مرحوم بہ عطاے الٰہی بیک وقت ان دونوں صفتوں سے متصف تھے جوایک کامیاب زندگی کی روشن علامت ہے۔راقم الحراف نے مختلف نشستوں میں موصوف کو بہت قریب سے دیکھا،ایک دسترخوان پر کھانا کھایا۔مضمون نگاری کے حوالے سے تبادلۂ خیال کیااور ہر بارانھیں عمدہ اخلاق اور پاکیزہ کردار کانمونہ پایا۔

آج الجامعۃ الاشرفیہ کے ہر چھوٹے بڑے طالب علم کی زبان پر یہی جملہ ہے کہ مولانا شکیل بااخلاق آدمی تھے اور یہ "ما رآہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن." کے مطابق اللہ رب العزت کی جناب میں مولانا مرحوم کے کامیاب بندہ ہونے کی روشن دلیل ہے۔آج اگر چہ وہ ہمارے درمیان نہ رہے، عین عالمِ شباب میں داغِ مفارقت دے گئے، مگران کی یادیں، ان کی میٹھی باتیں، خوش مزاجی وملنساری ہمارے ذہن وفکر کو یہ کہنے پر مجبور کر رہی ہے کہ ع: ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے۔

اللہ رب العزت اپنے حبیب پاک کے صدقے موصوف کو جنات نعیم میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے اہل خانہ کوصبر جمیل واجر جزیل سے نوازے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم۔

محمد طفیل احمد، بانکا

زمین! دفن ھیں تجھ میں شھید ناز بھت

12رمحرم الحرام 1430ھ مطابق 10رجنوری 2009ء بروز سنیچر تقریباً پونے گیارہ بجے شب ہم جملہ طلبہ تحقیق محو مطالعہ تھے، دریں اثنا ایک حادثۂ جاں کاہ کی خبر آئی کہ حضرت مولانا شکیل احمد مصباحی نے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔یہ الم ناک خبر سن کر حیرت واستعجاب کی انتہا نہ رہی ۔اس لیے کہ عقل ایسے شخص کی موت کا کیوں کر یقین کرے جسے چند لمحات پہلے موبائل پر گفتگو کرتے ہوئے پایا ہو۔لیکن جب متواتر خبریں آئیں تو یقین ہوگیا اور زبان سے انا للہ و انا الیہ راجعون. جاری ہوا۔

کچھ وقفہ کے بعد خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صاحب قبلہ اور حضرت علامہ عبدالمبین نعمانی صاحب قبلہ کی معیت میں قصبہ مبارک پور کے اسلامیہ ہاسپٹل پہنچے۔حضرت مولانا موصوف کے اہل خانہ کی خواہش کے مطابق تقریباً ساڑھے بارہ بجے رات ایک ریزرو گاڑی کے ذریعہ ان کی نعش ان کے گھر روانہ کر دی گئی اور صبح ساڑھے آٹھ بجے موصوف کے موضع ایجورا بزرگ ضلع فتح پور ان کی نعش پہنچی، جہاں چار بجے شام ان کے جسد خاکی کو سپرد خاک کیا گیا۔

حضرت مولانا شکیل احمد مصباحی نے 2000ء میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے فراغت حاصل کی۔دین کے اخلاقی اصولوں کا کامل درک رکھتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ حسنہ سے واقف تھے۔اکابر علما وصلحا اور موقر اساتذہ کی صحبت سے ان کی ذات اخلاق حسنہ کا مظہر اتم بن گئی تھی۔زہد وورع، صبر ورضا، توکل وقناعت، عبادت وریاضت، حسن معاشرت، احسانات کی معرفت، خلوص وللّٰہیت، جود وسخاوت، خوش اخلاقی، شیریں مقالی وغیرہ اوصاف جمیلہ اور خصائص حمیدہ سے متصف تھے۔تکبر وریا کاری، بغض وحسد، حرص وطمع، فخر ومفاخرت، چغلی وغیبت، غصہ وشیخی، دشمنی ولایعنی چیزوں میں اشتغال، لوگوں کی عیب جوئی وغیرہ افعال قبیحہ سے پرہیز کرتے تھے۔

حضرت مولانا شکیل احمد مصباحی کی رحلت نہ صرف ان کے اعزہ واقربا کے لیے حادثۂ عظیم ہے بلکہ یہ حادثہ ہم سب کے لیے کوہِ الم ہے۔حضرت مولانا موصوف ہندستان کی مرکزی دینی درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ کے ترجمان ماہ نامہ اشرفیہ کے نائب مدیر تھے، ان سے جب بھی ملاقات ہوتی ہمیشہ پوری ہمدردی ومخلصانہ کرم فرمائیوں سے پیش آتے تھے۔وہ ادارہ کے بہی خواہ، دین دار اور نہایت جلیل القدر عظیم المرتبت شخص تھے۔بلاشبہ ان کی مفارقت ہم تمام فرزندانِ اشرفیہ پر شاق ہے اور موت العالم موت العالم کا مصداق ہے۔

اس مصیبت والم کے موقع پر ہم سب ان کے اہل خانہ کے ساتھ رنج وغم میں شریک وسہیم ہیں، اورانھیں تعزیت پیش کرتے ہیں۔خداوند قدوس انھیں اپنی آغوشِ رحمت میں جگہ دے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔آمین، بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

زمین! دفن ہیں تجھ میں شہیدِ ناز بہت رہے خیال کہ ان کا نہ ہو کفن میلا

محمد شھاب الدین مصباحی، ریسرچ اسکالر، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

باغِ فردوس کا مھکتا ھوا پھول چلا گیا

انسان کی ایک عمر طبعی ہوتی ہے کہ جب آدمی اس عمر کو پہنچ جاتا ہے تو لوگ سمجھتے ہیں کہ اب یہ کبھی بھی داغِ مفارقت دے سکتے ہیں اوران کے وصال پر رنج وغم کا زیادہ احساس نہیں ہوتا۔لیکن جب ہمارا کوئی عزیز یارشتہ دار جوانی یا نوجوانی کے عالم میں چل بستا ہے تو اس کا صدمہ کچھ زیادہ ہی ہوتا ہے۔

ایسا ہی دل فگار سانحہ ہمارے مخلص وکرم فرما جناب مولانا محمد شکیل مصباحی صاحب جعل اللہ الجنۃ مثواہ کے واقعۂ رحلت سے پیش آیا۔ابھی وہ نوجوان تھے۔30رسال کے قریب عمر تھی، باعمل عالمِ دین تھے، مخلص وملنسار اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کے حامل تھے، ہونٹوں پر تبسم کھلتا رہتا تھا، ابھی انھوں نے زندگی کی بہاریں بھی نہیں دیکھی تھیں، اسی سال ان کے سر پر دستار عروسی لپیٹ کر انھیں دولھا بنایا جانا تھا کہ حورانِ خلد نے پیش قدمی کی اور 12رمحرم الحرام یکشنبہ کی شب پیٹ میں شدید درد کا عارضہ ہوا اور تھوڑی ہی دیر میں اس دار فانی سے دار بقا کی طرف چل بسے۔

اس الم ناک حادثۂ فاجعہ کی الم ناک خبر جس نے بھی سنی وہ مجسمۂ حیرت بن کر رہ گیا۔سماعتوں پر یقین نہیں ہو رہا تھا۔ان کی خبر رحلت سن کر پورا جامعہ اشرفیہ سوگوار ہوگیا، اساتذہ اور طلبہ سبھی مضطرب وبے چین ہو گئے۔مولانا مرحوم ہماری قوم کے لیے ایک قیمتی سرمایہ اور اشرفیہ کے قابلِ فخر فرزند تھے۔جون 2005ء سے تادمِ حیات عالمی شہرت یافتہ رسالہ "ماہ نامہ اشرفیہ" کے نائب مدیر کی حیثیت سے کام انجام دے رہے تھے۔اللہ تعالیٰ نے انھیں ذوقِ تحریر سے بھی نوازا تھا۔وقتاً فوقتاً ان کے مضامین ماہ نامہ اشرفیہ میں شائع ہوتے رہے۔

مولانا نے 2000ء میں فراغت کے بعد مختلف اداروں میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ماہ نامہ اشرفیہ کی ادارت سے قبل "جامعہ غوثیہ حضوریہ" سریا شریف ضلع اعظم گڑھ میں تدریس کے ساتھ وہیں سے نکلنے والا رسالہ "جام حضوری" کے مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے بھی کام انجام دیا۔

گوناگوں خوبیوں کے مالک ہونے کے ساتھ وہ ایک وفا پیشہ انسان تھے، دلِ دردمند رکھتے تھے، خوش مزاجی راست گوئی اور اخلاص کے پیکر تھے۔راقم جب بھی ان سے ملتا خندہ روئی اور شیریں کلامی کے ساتھ پیش آتے، حال چال دریافت کرتے، مزاج پرسی کرتے۔ان کا سب سے نمایاں وصف ان کا احساس ذمہ داری تھا۔وہ اپنی ذمہ داری کی بجا آوری میں کبھی بھی غفلت نہیں برتتے۔خود لکھنا، ماہ نامہ اشرفیہ کے لیے علما سے رابطہ کرنا، ان سے مضامین لکھوانا، بار بار تقاضے کرنا، رسالہ کے دیگر کاموں میں فخر صحافت مدیر اعلیٰ ماہ نامہ اشرفیہ حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب زید مجدہم کا ہاتھ بٹانا، یہ سب ان کی ذمہ داریاں تھیں۔

ان کے چلے جانے سے ایک بڑا خلا پیدا ہوگیا جس کا قلق ہم سب کو ہے۔راقم اوراس کے تمام رفقا ان کے والدین احبا واقربا کے ساتھ غم والم میں برابر کے شریک ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ عزوجل مولانا شکیل صاحب کی تربت پر انوار وتجلیات کی بارش برسائے اور ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے۔آمین۔

محمد رضا قادری مصباحی، نیپال، شعبۂ تحقیق فی الفقہ، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

آہ اس پیکر اخلاق کا رخصت ھونا

وہ وقت کتنا روح فرسا اور وہ گھڑی کس قدر صبر آزما تھی، جب تقریباً رات کے گیارہ بجے یہ اندوہ ناک خبر ملی کہ ماہ نامہ اشرفیہ کے نائب مدیر محبِ گرامی مولانا شکیل احمد مصباحی اللہ کو پیارے ہوگئے۔دل صدمہ سے چور اور غم سے نڈھال ہوگیا، مگر مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ، دل یقین کرنے کو تیار نہیں تھا مگر موت تو اٹل ہے، اس کے بارے میں قرآن کا ارشاد ہے:"فاذاجاء اجلھم لایستاخرون ساعۃ ولا

یستقدمون. "تو جب ان کا وعدہ آئے گا، ایک گھڑی نہ پیچھے ہونہ آگے۔ (اعراف 34/7)

وفات کی خبر سنتے ہی رات کی تاریکی میں رنج وغم کی تصویر بنے طلبہ اور اساتذہ کے قافلے اسلامیہ اسپتال مبارک پور کی طرف جانے لگے۔ اسلامیہ اسپتال میں دیکھا کہ سوگواروں کا تانتا لگا ہوا ہے اور ہر شخص اپنی بساط بھر مرحوم کی شخصیت پر تبصرہ کر رہا ہے، چہرے کی شگفتگی اور بشاشت دیکھ کر یہ شعر یاد آ گیا۔

کون کہتا ہے کہ مومن مرگیا　　　قید سے چھوٹا وہ اپنے گھر گیا

ایک دو لوگوں سے موت کے اسباب وعوامل کے بارے میں دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آناً فاناً ان کے وصال کا دل دوز واقعہ پیش آیا۔ موت سے کسی کو رستگاری نہیں۔ عموماً عادت یہی ہے کہ انسان اپنی عمر طبعی کو پہنچ کر موت کی آغوش میں جاتا ہے اور اعزہ واقربا کو روتا بلکتا چھوڑ جاتا ہے، مگر تقریباً تیس سالہ کڑیل جوان، جس کی کارکردگی اور اخلاق وعادات سے چھوٹے بڑے سب متاثر ہوں، جو اپنی ذمہ داریوں سے کچھ زیادہ کرنے کا عادی ہو اور جس نے اپنی خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی سے سب کا دل جیت لیا ہو، اس کا سانحۂ ارتحال کس قدر رنج والم کا باعث ہوگا۔ اس کا اندازہ ارباب اشرفیہ اور مرحوم کے وابستگان ہی لگا سکتے ہیں۔

مولانا شکیل احمد مصباحی سے میری پہلی ملاقات ذوالحجہ 1427ھ میں ہوئی تھی۔ میں پہلی ہی ملاقات میں ان کی خوش کلامی اور خندہ روئی سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا، اس کے بعد بارہا ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ موصوف ماہ نامہ اشرفیہ میں لکھنے پر اکساتے رہتے تھے اور حوصلہ افزائی بھی کرتے تھے، آج اس تنگ نظری کے دور میں خال خال لوگ ایسے نظر آتے ہیں جو اپنے آگے کسی کو اہمیت دیتے ہیں اور اپنے آگے کسی کی دال گلنے دیتے ہیں۔ مگر موصوف کے اس وصف نے مجھے بہت متاثر کیا۔ ابھی امسال دو کتابوں پر تبصرہ کرنے کا حکم دیا تھا، جس کی عدم تکمیل کا مجھے ہمیشہ قلق رہے گا۔

وفات سے چند روز قبل ماہ نامہ اشرفیہ کے تاخیر سے وصول ہونے کے متعلق پوچھنے پر بتایا کہ ان شاء اللہ اب دیگر رسالوں کی طرح ماہ نامہ اشرفیہ بھی وقت پر موصول ہو جائے گا۔ موصوف ماہ نامہ کی اشاعت کے لیے ہمیشہ تگ ودو کرتے رہتے تھے۔ المجمع الاسلامی میں بارہا حضرت مولانا عبدالمبین نعمانی صاحب سے مضامین کے مطالبہ اور کبھی کبھی اصلاح کی غرض سے تشریف لایا کرتے تھے۔ عموماً مرنے کے بعد لوگ مرنے والوں کے وہ اوصاف شمار کراتے ہیں جو حقیقتاً اس میں نہیں ہوتے ہیں، لیکن میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے، ان میں خوش گفتاری، ملنساری، خندہ پیشانی کے اوصاف بدرجۂ اتم موجود تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنے احباب کے دلوں پر اپنی اعلیٰ ظرفی کے وہ گہرے نقوش چھوڑے ہیں جن کو جلدی بھلایا نہیں جا سکتا، اب ہم اس کے علاوہ کہہ ہی کیا سکتے ہیں　ع　　خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔

شہاب الدین مصباحی، پنیرا، مہراج گنج

اب تو بس یادیں رہ گئی ہیں

ساڑھے بارہ بجے شب برسوں کی جانی پہچانی محبِّ گرامی مولانا ساجد رضا مصباحی کی آواز کانوں سے ٹکرائی۔ درد بھرے لہجے میں انھوں نے مولانا شکیل احمد مصباحی کے انتقال کی خبر دی، پھر کیا تھا۔ دل افسردہ ہو گیا، رنج وغم میں چہرے پر اداسی چھا گئی، پرانی رفاقت ستانے لگی، گزرے ہوئے لمحات تڑپانے لگے، انکی مختلف ادائیں ذہن پر ابھرتی رہیں اور ذہن وفکر کو ہر طرف سے یادوں نے گھیر لیا۔ یقیناً جواں سالی کے عالم میں ان کے انتقال نے بہتوں کو درد وتکلیف میں مبتلا کر دیا ہوگا۔ جسے بھی خبر ملی ہوگی، رنج وغم نے اس کے دل کو ضرور جکڑ لیا ہوگا۔ مادرِ علمی میں زندگی کا ایک قیمتی عرصہ گزارنے کے سبب اس کی یادیں دل کو بے قرار کیے ہی رہتی ہیں۔ اس حادثہ نے اور بھی زخم دے دیا۔ مادرِ علمی سے گزرے چند ماہ ہی گزرے ہیں مگر اس کی بہاریں بڑی شدت سے ہر موڑ پر بے چین کرتی ہیں۔ کیا معلوم تھا کہ مادرِ علمی سے جدائی کے بعد پھر دوبارہ مولانا سے ملاقات نہ ہوگی۔

مولانا شکیل احمد مصباحی رسالہ سے منسلک ہونے کے بعد بڑی خاموشی کے ساتھ اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ نیابت کی ذمہ داری کو بڑی خوب صورتی کے ساتھ انھوں نے انجام دیا۔ اپنے فرائض سے چشم پوشی کبھی ان میں نہیں دیکھی گئی، جب جیسی ضرورت محسوس ہوئی اس کے لیے ہمہ دم تیار رہے۔ سب سے بڑی خوبی میں نے یہ محسوس کی کہ اپنے مادرِ علمی کا ترجمان ہونے کی حیثیت سے انھوں نے درپیش ہونے والی ہر طرح کی قربانی پیش کی، نسبت کے تقاضوں کو بھرپور ادا کیا۔ اشرفیہ کا پروردہ ہونے کے اعتبار سے رسالہ کے تعلق سے ان کو ایک

درد تھا جس کی بنیاد پر اسے سجانے اور سنوارنے کے لیے انھوں نے کافی تگ ودو کی۔

اشرفیہ میں طالب علمی کے اخیر کے دو سالوں میں ان سے بڑی انسیت ہو چکی تھی۔ اپنی نشستوں میں بسا اوقات بڑی درد بھری باتیں کیا کرتے۔ ادھر اشرفیہ کے اشاریہ سازی کا سلسلہ شروع کرنے کے بعد جس وقت اپنی ضرورت کے لیے انھیں پکارا، بروقت انھوں نے حل پیش کیا۔ کسی شمارے کی عدم دستیابی پر بڑی محنت سے "اشرفیہ" کے ڈھیر میں اسے ڈھونڈتے۔ اپنی ذاتی مصروفیت کو فرائض کی انجام دہی میں کبھی آڑے نہ آنے دیا۔

اب تو بس یادیں رہ گئی ہیں، یادوں ہی سے دل کو تسکین دینا پڑے گا۔ یقیناً ان کی قربانیوں کو برسوں یاد رکھا جائے گا اور ان کی محنتوں کو "اشرفیہ" کبھی نہ بھلا پائے گا۔ خدائے تعالیٰ جوارِ قدس میں انھیں جگہ عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے۔ آمین۔

محمد قطب الدین رضا مصباحی، مقام و پوسٹ بدربنہ، ضلع دربھنگہ (بہار)

آہ! شکیل ہم سے بچھڑ گئے

مورخہ 10 رجنوری 2009ء کو تقریباً ساڑھے دس بجے رات میں میرے موبائل کی گھنٹی بجی۔ میں نے LCD پر ابھرے نمبر کو دیکھے بغیر ریسیو کر لیا اور آواز آئی،، میں سرفراز بول رہا ہوں، مولانا شکیل کا انتقال ہو گیا ہے ہم لوگ اس وقت اسلامیہ اسپتال میں ہیں،، یہ سنتے ہی میرے پاؤں سے زمین کھسک گئی اپنے کانوں سے سنی اس خبر پر یقین نہیں کر پا رہا تھا لیکن فون کرنے والے الجامعۃ الاشرفیہ کے ناظم اعلیٰ حاجی سرفراز صاحب تھے اس لئے یہ بات غلط بھی نہیں ہو سکتی تھی بہر حال اشکبار آنکھوں کے ساتھ میں اسپتال پہنچا وہاں سیکڑوں لوگوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ مولانا مرحوم ایک بیڈ پر لیٹے ہوئے تھے بالکل دیکھنے میں ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ آرام کی نیند سو رہے ہیں لیکن حقیقت میں ابدی نیند سو رہے تھے۔

مولانا مرحوم ایک عالم باعمل تھے۔ الجامعۃ الاشرفیہ میں اپنی تعلیم پوری کی تھی عمر تقریباً ۳۰ سال تھی اور ابھی شادی نہیں ہوئی تھی۔ آبائی وطن فتح پور یو پی تھا انکے والد اپنی فیملی کے ساتھ ہزاری باغ جھارکھنڈ میں رہتے ہیں۔ مولانا مرحوم عمدہ اخلاق کے مالک تھے۔ ماہنامہ اشرفیہ کے نائب مدیر کی حیثیت سے الجامعۃ الاشرفیہ میں تقریباً چار سالوں سے کام کر رہے تھے۔ بہت ہی منکسر المزاج تھے۔ دل پر کوئی بات نہیں لیتے۔ اپنی ذمہ داری کا پورا احساس کرتے تھے۔ ایک ملازم عام طور سے ڈیوٹی کے وقت کے بعد اپنے دیگر کاموں میں مصروف رہتا ہے لیکن مولانا اس معاملے میں بالکل مختلف تھے ہمہ وقت ماہنامہ کے ترقی کے بارے میں سوچتے رہتے تھے۔ وہ اس کا خیال نہیں کرتے کہ ابھی کام کا وقت نہیں ہے بلکہ یہ سوچتے تھے یہ کام کرنا ہے وقت کوئی بھی ہو۔ ان کے کئی مقالے بھی چھپ چکے ہیں۔ مولانا قوم مسلم اور مذہب اسلام کی خدمت کرنے کے دیوانے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی ان خدمتوں کو قبول فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے ان کے تمام چاہنے والوں اور ان کے اہل خاندان کو صبر عطا فرمائے آمین۔

حسیب اختر مصباحی، استاذ شعبۂ کمپیوٹر، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

قبر پر ہو رحمت حق کا نزول

ماہ جنوری 2009ء کی دس تاریخ شنبہ کی رات کو ساڑھے گیارہ بجے کا وقت ہو رہا تھا، میں اپنے کمرے میں فتاویٰ رضویہ شریف کا مطالعہ کر رہا تھا کہ ناگاہ کانوں میں یہ جاں کاہ خبر پہنچی کہ ماہ نامہ اشرفیہ کے نائب مدیر مولانا شکیل احمد مصباحی صاحب داعی اجل کو لبیک کہہ کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ یہ دل سوز خبر سنتے ہی بے ساختہ زبان پر "انا للہ و انا الیہ راجعون." کے کلمات جاری ہو گئے۔ آنکھیں اشک بار ہو گئیں اور دل غم واندوہ کے سمندر میں ڈوب گیا۔ چوں کہ ان کا جسد خاکی اس وقت اسلامیہ اسپتال میں تھا جو جامعہ سے تقریباً ڈیڑھ کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے اور کچھ ہی دیر بعد ان کے گھر فتح پور کے لیے بھیجا جانا تھا۔ اس لیے ہم طلبۂ تحقیق اسی وقت اپنے بوجھل قدموں کے ساتھ اسلامیہ اسپتال پہنچے اور بھیگی پلکوں سے ان کا آخری دیدار کیا جب کہ ہمارے اساتذۂ کرام خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صاحب قبلہ، ادیب اسلام حضرت مولانا نفیس احمد صاحب مصباحی، مدیر ماہ نامہ اشرفیہ حضرت مولانا مبارک حسین صاحب مصباحی مدظلہم العالی وغیرہم سوگوار دلوں کے ساتھ پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد ان کے جنازہ کو غمگین دلوں اور اشک بار آنکھوں سے ساتھ ان کے گھر

کے لیے روانہ کر دیا گیا اور ہم اپنے بے قرار دلوں میں ان کی فرقت کا داغ لیے جامعہ واپس آ گئے۔

حضرت مولانا شکیل صاحب خوش اخلاق، ملنسار اور بڑے مہمان نواز انسان تھے جو بھی ان سے ایک بار ملاقات کرتا وہ تادیر یادوں کو بھلا نہیں سکتا تھا۔ ہم کبھی جب کسی ضرورت کے پیش نظر ان کے دفتر میں جاتے، بڑی شفقت و محبت سے بٹھاتے اور توجہ سے ہمارے کام مکمل کر دیتے اور کیوں نہ ہو وہ تو اپنے متعلق کاموں کو بحسن و خوبی اور بڑی ذمہ داری سے انجام دیتے تھے اور دینی کاموں میں مصروفیت ہی کو اپنا مشغلہ سمجھتے تھے۔

بہر حال ان کا ناگہاں انتقال کر جانا یقیناً ان کے اہلِ خانہ پر غم واندوہ کے پہاڑ ٹوٹ جانے کے مرادف ہے، مگر یہ حقیقت بھی ناقابلِ انکار ہے کہ اساتذہ وطلبہ اشرفیہ کے لیے کسی انہونی مصیبت سے کم نہیں۔ ان کے وصال پر اہلِ اشرفیہ کے ہر فرزند کا چہرہ پژمردہ اور آنکھیں اشک بار ہیں اور مشیت ایزدی کے سامنے بے بس ودم بخود ہیں، ہم بس اتنا ہی کر سکتے ہیں کہ اپنے محسن کے لیے ایصال ثواب کریں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی قبر پر اپنی رحمت و غفران کی بارش فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل واجر جزیل عطا فرمائے۔

محمد اسرائیل مصباحی خیر آبادی، سیتا پور، (یو.پی.)

فلک کو فکر ہوئی بجلیاں گرانے کی

ابھی بنا بھی نہ ڈالی تھی آشیانے کی
فلک کو فکر ہوئی بجلیاں گرانے کی

اس خاک دانِ گیتی پر رونما ہونے والی ہر جان فانی ہے۔ اسے ایک نہ ایک دن لقمۂ اجل بننا ہے اور اس کے لیے روزِ ازل سے ہی ایک وقت مقرر ہے، جس سے ایک لمحہ بھی تاخیر نہیں ہو سکتی۔ ارشادِ ربانی ہے: "ان اجل الله إذا جاءَ لا يؤخر." "بے شک جب اللہ کا وعدہ آتا ہے ہٹایا نہیں جاتا۔

عموماً انسان کی زندگی ساٹھ ستر برس سے اوپر ہی ہوتی ہے اور جب آدمی اس عمر کو پہنچ کر وفات پاتا ہے تو یہی کہا جاتا ہے کہ اپنی طبعی زندگی گزار کر رخصت ہو گیا اور اس کی رحلت پر بہت زیادہ رنج وغم بھی نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف اگر کوئی اس وقت داعیِ اجل کو لبیک کہتا ہے جب کہ نہ ابھی وہ زندگی کی بہاروں سے بہرہ مند ہوا ہو اور نہ ہی اس کے والدین نے اپنے نورِ نظر کی بارات سجا کر کسی لالہ رخ دوشیزہ سے اپنے ارمانوں کی تسکین کی ہو تو وہ منظر بڑا ہی پر ملال ہوتا ہے اور اگر وہ اپنے ماں باپ کے چمنستاں میں کھلنے والا پہلا پھول ہو تو اس کی جدائی پر کس قدر رنج والم کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس کا صحیح اندازہ اسے ہوتا ہے جس کے باغ میں کھلنے والی کلیاں موسمِ بہار کی پر کشش ہوا لگنے سے پیش تر ہی ہول ناک آندھیوں کا شکار ہو چکی ہوں، اور اس سے کہیں زیادہ درد و کرب اور حسرت وافسوس اس وقت ہوتا ہے جب جانے والا نہ صرف اپنے والدین کے سسکتے ارمانوں کی آماجگاہ اور بھائی بہنوں کا واحد سہارا ہو، بلکہ پورے خاندان کا چشم وچراغ ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی شبانہ روز جاں فشانیوں وسحر طرازیوں کے بل بوتے پر کسی عظیم دینی ادارہ یا تحریک کی ضرورت بھی بن چکا ہو۔ بلا شبہ مولانا شکیل احمد مصباحی کے وصال پر ملال کی کیفیت اس سے کچھ بھی مختلف نہیں۔

مولانا مرحوم تقریباً اٹھائیس برس کی عمر میں 12 رمحرم الحرام 1430ھ بروز سنیچر شب کے تقریباً ساڑھے دس بجے اس دارِ فانی سے دارِ ابدی کی جانب کوچ کر گئے: انا لله و انا اليه راجعون. مولانا مرحوم اپنے بھائی بہنوں میں سب سے بڑے تھے اور ابھی ان کی شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت جامعہ اشرفیہ کے ترجمان "ماہ نامہ اشرفیہ" کے نائب مدیر کی حیثیت سے مبارک پور میں کام انجام دے رہے تھے اور انتہائی متانت وسنجیدگی اور جد وجہد سے اپنی ذمہ داری سے سبک دوش ہوتے تھے، اس لیے مولانا مرحوم نے نہ صرف اپنے ماں باپ اور دیگر اعزا واقربا کو زبر دست داغ مفارقت دیا بلکہ الجامعۃ الاشرفیہ جیسے عظیم ادارے کو بھی ان کی جدائی کا عظیم صدمہ ہوا۔

یوں تو جامعہ کے جملہ اساتذۂ کرام اور طلبہ کو ان کی رحلت کا سخت دکھ ہوا مگر "ماہ نامہ اشرفیہ" کے مدیرِ اعلیٰ حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی کو جس حوصلہ شکن درد وکرب کا سامنا کرنا پڑا وہ ضبطِ تحریر سے ورا ہے کیوں کہ وہ حضرت کے دست وبازو تھے اور جب سے یہاں آئے، قدم قدم پر حضرت کا ساتھ دیا اور مکمل ذمہ داری کے ساتھ ان کاموں کو انجام دیا جو حضرت نے ان کے سپرد کیے۔ حضرت مدیرِ اعلیٰ کے رنج والم کا احساس ان درد بھرے جملوں سے بخوبی ہو سکتا ہے جو آپ نے مولانا مرحوم کی یاد میں منعقد ہونے والی مجلس فاتحہ خوانی میں اشک بار آنکھوں سے حاضرین کے روبرو پیش فرمائے۔ یہ مجلس مولانا مرحوم کے وصال پر ملال کے دوسرے دن یعنی 13 رمحرم الحرام 1430ھ بروز اتوار بعد نمازِ ظہر بمقام عزیز المساجد الجامعۃ الاشرفیہ میں منعقد ہوئی۔

مولانا شکیل احمد مرحوم سے میری ملاقات دو سال سے تھی، تاہم کبھی تفصیلی گفتگو کا موقع نہ ملا تھا۔ امسال شوال المکرم میں سرزمین کشمیر سے

حضرت مولانا مفتی محمد اسلم صاحب مصباحی اور حافظ وقاری نصیر الدین صاحب نقش بندی تشریف لائے تو ان کے ساتھ میں دفتر ماہ نامہ اشرفیہ میں گیا اور تقریباً دو گھنٹے تک مولانا سے گفتگو ہوئی اور ان کی دانش مندی، متانت وسنجیدگی اور خوش خلقی وملنساری کا بخوبی اندازہ ہوا اور ہمارے کشمیری مہمان بھی ان کی گفتگو سے بہت متاثر ہوئے۔ فون پر جب مفتی محمد اسلم صاحب کو اس الم ناک حادثہ کی خبر دی تو حیرت واستعجاب میں ڈوب گئے اور سخت رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یقیناً ایسے ہی کسی غم ناک حادثہ کی عکاسی ایک پنجابی شاعر نے اس طرح کی ہے

مالی باغ نہ ویکھن دیندا، آئیاں جدوں بہاراں
آسیں آسیں عمر گزاری جھلے خار ہزاراں

محمد ابراہیم مصباحی کشمیری، متعلم شعبۂ تحقیق و افتا، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

اللہ رحم فرمائے۔ وہ کتنے اچھے انسان تھے۔

حافظ وقاری نور الحق صاحب نے اچانک، یہ خبر سنائی، ''حضرت مولانا شکیل صاحب کا انتقال ہو گیا'' اِن الفاظ کو بڑے صاف لفظوں میں سنا تھا، لیکن پھر بھی اپنی سماعت پر اعتبار نہ آیا، میں نے حیرت سے پوچھا، کیا؟ ؟ ؟ جب قاری صاحب نے پھر وہی کلمات دوہرائے تو کان کھڑے ہوئے گئے، آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، پورے وجود پر سکتہ سا طاری ہو گیا، یقین جٹانا بہت مشکل ہو گیا، حواس مختل ہو گئے، بڑی مشکل سے احساسات اکٹھا کیا اور إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھا۔ حضرت مولانا شکیل مصباحی مرحوم سے میرا بڑا دیرینہ تعلق تھا، میں اُن کو بہت قریب سے جانتا ہوں، کردار واخلاق کے بڑے دھنی تھے، خوش خلقی وملنساری میں اُن کا کوئی جواب نہ تھا، اُن کے حسن سلوک کی وجہ سے مجھے بڑی محبت تھی، جب بھی قصبہ جاتا تو اگر چہ اُن سے اپنا کوئی کام نہ ہوتا لیکن پھر بھی صرف ملاقات کی غرض سے ضرور اُن کے کمرے میں جایا کرتا تھا، بلکہ ہمارے جملہ ساتھیوں کا یہی معمول تھا، کوئی بھی اُن کے آفس میں چلا جاتا تو بڑے پیار ومحبت سے بیٹھاتے تھے، موہ لینے والا انداز ہوتا تھا۔ ہمدردی اور محبت کے سراپا تصویر تھے۔ اللہ نے شکیل کو شکیل بنایا تھا، بھولی سی موہنی صورت تھی کتنے اچھے، وہ کتنے اچھے انسان تھے۔

۱۰ رجنوری شام کو مولانا ہارون مصباحی کے ساتھ کسی کام سے قصبہ گیا سوچا مولانا شکیل صاحب سے ملاقات کر لیں، اُن کے کمرے میں پہنچے، چہرے پر معمولی اضمحلال طاری تھا، آنکھیں ہلکی سرخ تھیں، مزاج دریافت کرنے پر معلوم ہوا، طبیعت قدرے ناساز ہے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ سے شفا کی دعا کی۔ اور مصافحہ کر کے واپس چل دیے، کون جانتا تھا اپنے شکیل بھائی سے یہ ہماری آخری ملاقات اور آخری مصافحہ ہے۔ ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ آج یہ پیکر محبت ووفا رحلت کر جائیں گے۔ آج ہمیں ہر سو سونا سونا لگ رہا ہے، آہ! اب ہم قصبہ جا کر اُن سے ملاقات نہ کر سکیں گے۔

حضرت مولانا شکیل مصباحی مرحوم جب ہماری مجلسوں میں آتے تھے خوشیوں کی لہر دوڑ جاتی تھی، آج ہماری مجلسیں ویران ہو چکی ہیں، شدت کے ساتھ ان کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ جب ہم آپس میں خدمت دین وملت سے متعلق گفتگو کرتے تھے تو ایسا لگتا تھا گویا اس نوجوان نے اپنی تمام تر توانائیوں اور صلاحیتوں کے ساتھ میدان میں کود پڑنے کا پختہ عزم کر لیا ہو۔

حضرت مولانا موصوف ایک ذمہ دار انسان تھے، اُن کی خواہش تھی کہ ماہنامہ اشرفیہ بہتر سے بہتر شائع ہو، اس کے لیے دن رات بڑی محنت و لگن سے کام کرتے تھے، میں نے خود اُن کو راتوں رات کام کرتے ہوئے دیکھا ہے، متعدد بار نو، دس بجے رات میرے پاس آئے اور ماہنامہ سے متعلق مجھ سے کام کرایا، بعض مضمون نگار حضرات کے مضامین میں کتابوں کی عبارتیں بغیر حوالے کے ہوتیں، ایسی عبارتوں کی تخریج کے لیے مولانا موصوف خود لائبریری جاتے، اور وہاں بیٹھ کر اُن تمام عبارات کی تخریج کرتے تھے، اگر کوئی عبارت نہیں ملتی تو حضرت علامہ محمد احمد مصباحی، حضرت علامہ مفتی نظام الدین رضوی وحضرت علامہ عبد المبین نعمانی دامت برکاتہم القدسیہ کی طرف رجوع کرتے تھے، دسیوں بار میں نے خود اُن کے کہنے پر ایسی عبارتوں کی تخریج کی ہے۔ ماہنامہ کے تمام مضامین کو بڑی باریک بینی سے دیکھتے تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ پروردگار عالم! تو ان کے گناہوں کی مغفرت فرما اور ان کی قبر بقعہ نور بنا دے، ان پر دن رات اپنی رحمت وانوار کی بارش جھما جھم برسا۔ اُن کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرما۔ آمین۔ بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

محمد ناصر حسین مصباحی، جامعہ اشرفیہ مبارک پور

نعت و منقبت

کتنا دل کش دیار نبی ہے .... خلیل احمد، خلیل بلرام پوری

دو جہاں میں شہِ بحر و بر کے حسنِ کردار کی روشنی ہے
ہے حجابوں میں مہرِ نبوت، روشنی پھر بھی پھیلی ہوئی ہے

اس تخیل میں ہے کتنی ندرت اور اصلِ حقیقت یہی ہے
جس کو موت آئے شہرِ نبی میں موت اُس کے لیے زندگی ہے

پھنس گیا ہوں میں غم کے بھنور میں، ہے بہت دور مجھ سے کنارہ
تاج دارِ دوعالم خبر لو، ورنہ کشتی مری ڈوبتی ہے

اُن کا در جو مجھے مل گیا ہے، ناز ہے اپنی قسمت پہ مجھ کو
تجھ کو جنت ہو رضواں مبارک، میری جنت دیارِ نبی ہے

بحر و بر کوہ و صحرا نہ ہوتے، اور نہ دنیا کی تخلیق ہوتی
آمدِ شاہِ بطحا کی خاطر بزمِ عالم سجائی گئی ہے

فیضِ سلطانِ دیں اللہ اللہ، خالی لوٹا نہ در سے سوالی
دستِ بخشش نہ دیکھا کسی نے، دیکھتے ہیں تو جھولی بھری ہے

دھوپ بھی ہے یہاں ٹھنڈی ٹھنڈی، ہے فضا بھی یہاں مہکی مہکی
ذرے ذرے میں رعنائیاں ہیں، کتنا دل کش دیارِ نبی ہے

با خدا کس قدر مست ہے وہ، اُس کی مستی کا عالم نہ پوچھو
بادۂ عشق جس رند نے بھی دستِ ساقیِ کوثر سے پی ہے

کشتیِ زندگی بحرِ غم سے ایک دن پار ہوگی یقیناً
جب شہنشاہِ کون و مکاں سے اے خلیلؔ آس اپنی لگی ہے

جہاں میں چار جانب فیضِ عام احمد رضا کا ہے .... محمد عثمان اوجؔ اعظمی

مجدد ہیں، بہت اعلیٰ مقام احمد رضا کا ہے
ثنا خواں اس لیے ہر خاص و عام احمد رضا کا ہے

اُنھیں تسلیم کرتے ہیں ائمہ سارے عالم کے
دلوں میں احترام و احتشام احمد رضا کا ہے

جو سورج کی طرح روشن ہے چرخِ نیک نامی پر
ہزاروں نامیوں میں اک وہ نام احمد رضا کا ہے

لکھی الدولۃ المکیہ جو حضرت نے مکے میں
نبی کے غیب پر تنہا وہ کام احمد رضا کا ہے

سبھی ہیں معترف اُن کے، وہ عربی ہوں کہ عجمی ہوں
جہاں میں چار جانب فیضِ عام احمد رضا کا ہے

یہ ہے جو عرسِ رضوی قادری اطرافِ عالم میں
تو چرچا رات دن، ہر صبح و شام احمد رضا کا ہے

حدیثیں ہیں نبی کی اُس میں یا قرآں کی تفسیریں
اُنھیں اوصاف سے مملو کلام احمد رضا کا ہے

جواب اُس کا کوئی اب تک نہ لایا ہے، نہ لائے گا
سلاموں میں نمائندہ سلام احمد رضا کا ہے

یہی ہے سنیت کی آج کل پہچان، اے لوگو!
وہی سنی ہے جس کو احترام احمد رضا کا ہے

دلائل رد کیے نجدی کے جس نے شہرِ مکہ میں
وہ آقائے اڑیسہ(۱) اک غلام احمد رضا کا ہے

عبادت کبریا کی ہو، اطاعت مصطفیٰ کی ہو
یہی اہلِ زمانہ کو پیام احمد رضا کا ہے

پرخچے بھی اڑائے ہیں سدا تصنیفِ نجدی کے
برائے دینِ حق یہ التزام احمد رضا کا ہے

مقدم سب سے ہے اے اوجؔ مسلک اہلِ سنت کا
اماموں میں جو اعظم ہے، امام احمد رضا کا ہے

(۱) حضور مجاہدِ ملت علی الرحمہ، اُڑیسہ

صدائے بازگشت

یہ کالم ایک "صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے"۔ اس کے تحت علمی، فکری، تنقیدی اور تجزیاتی مراسلات کو ترجیح دی جائے گی

اشرفیہ کا معیار بہت بلند ہے

آبروئے صحافت حضرت علامہ مبارک حسین صاحب قبلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے آپ نغمہ بار ہوں۔ دسمبر 2008ء کا شمارہ نوری بک ڈپو سعد اللہ نگر بلرام پور سے خرید کر پڑھا، دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ اس کا ہر عنوان ایک حیثیت رکھتا ہے۔ یہ اردو داں طبقے کے لیے کیف وانبساط کا محور بن چکا ہے۔ "اشرفیہ" نومبر 2008ء کے انتظار میں آنکھیں تھک سی گئیں۔ ڈاک کا بے صبری سے انتظار کرتے رہنا "اشرفیہ" سے اپنائیت اور گرویدگی کا ثبوت فراہم کرنے کے لیے کافی ہے۔ نومبر کا شمارہ گوناگوں خوبیوں سے متصف ہے۔ سرورق دیکھ کر آنکھیں فرحت انبساط سے لبریز ہوئیں، دعا ہے کہ مولا حیات جاوداں عطا فرمائے؟

"اشرفیہ" آسمانِ سنیت پر چھائی ہوئی طویل ترین خاموش کالی رات کا "اخترِ صبح" ہے، یہ میرا ذاتی تجزیہ ہے۔

خدا کرے "اشرفیہ" ہر میز کی زینت بنے اور ہر دل میں جگہ پائے۔ آمین۔

قاری معظم مسعودی

استاذ شعبہ قراءت، مرکز الاسلامی دار الفکر، بہرائچ شریف

مولانا کوثر امام قادری کے مضمون پر تنقیدی نظر

مکرمی ایڈیٹر صاحب ماہ نامہ اشرفیہ   سلام مسنون

نومبر 2008ء کا شمارہ موصول ہوا۔ تمام مشمولات معیاری اور لائقِ مطالعہ ہیں۔ خاص کر مولانا کوثر امام قادری صاحب کا تحقیقی مضمون، "حدیث انا مدینۃ العلم" بہت دل چسپ اور معلومات افزا ہے۔ پڑھ کر نہایت مسرت ہوئی۔ موصوف نے اپنے مطالعہ کی روشنی میں اس حدیث پر وضع وضعف کا حکم لگانے والوں کی خوب خبر لی ہے۔ اس مضمون میں تسلیم کرنے والے ائمہ کی تعداد 14 رشمار کرائی ہے اور رد کرنے والوں کی تعداد 9 رتک بیان کی ہے، جس میں ابن دقیق العید جیسے جلیل القدر امام کو نظر انداز کر دیا ہے۔ موصوف نے رد کرنے والوں کے اقوال کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی ہے۔

معجم کبیر، مستدرک، اتحاف السادہ وغیرہ کے حوالے سے اس باب کی سب سے اہم حضرت عبد اللہ بن عباس کی روایت پیش کی ہے، جس میں ایک راوی ابو الصلت عبد السلام بن صلاح کا ذکر کیا ہے، لیکن میرے علم میں عبد السلام نام کا کوئی راوی نہیں، جس کی ولدیت "صلاح" ہو۔ ہاں عبد السلام بن صالح نام کے ایک راوی ہیں جن پر ائمہ فن نے سخت جرح کیا ہے۔

علامہ ابن جوزی نے حضرت عبد اللہ بن عباس کی روایت کو دس طرق سے بیان کر کے ہر ایک پر کلام کیا ہے۔ پانچویں طریق میں مذکورہ راوی کے بارے میں فرماتے ہیں: وہ کذاب ہے اور اس نے یہ حدیث ابو معاویہ ضریر سے گڑھی اور اس سے ایک جماعت نے سرقہ کیا۔ (موضوعات ابن جوزی، ج:1، ص:354)

علامہ ابن حجر عسقلانی تہذیب التہذیب میں ان کے بارے میں فرماتے ہیں، امام زکریا ساجی نے کہا وہ منکر حدیثیں روایت کرتا ہے، ائمہ کے نزدیک وہ ضعیف ہے۔ امام نسائی، امام ابو حاتم اور ان کے والد نے کہا وہ ثقہ اور سچے نہیں، وہ ضعیف ہیں۔ امام ابو زرعہ کہتے ہیں، میں اس سے خوش نہیں ہوں، امام جوز جانی نے کہا وہ حق سے روگرداں تھا۔ ابن عدی نے کہا: اہل بیت کے فضائل میں اس نے حدیثیں گڑھی ہیں۔ برقانی، دار قطنی عقیلی نے کہا وہ رافضی خبیث تھا۔ امام ابو الحسن، مسلمہ محمد بن طاہر وغیرہ نے کہا وہ کذاب ہے۔ (ملخصاً تہذیب التہذیب، ج:6، ص:320 تا 322)

اس حدیث کو رد کرنے والے علما کے مراتب اور اس کی اسناد کو دیکھ کر اس کی تردید کا قول ہی باوزن معلوم ہوتا ہے۔ ابتدا ہی سے اس حدیث کے سلسلے میں اختلاف رہا ہے اس لیے موصوف کا یہ کہنا کہ "آج کچھ لوگ اس حدیث کو باطل اور موضوع لکھ رہے ہیں" کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ہم مولانا کوثر امام قادری صاحب سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ ہمارے معروضات پر غور کریں اور اطمینان بخش جواب عنایت فرمائیں۔

شہاب الدین مصباحی، پنیرا، مہراج گنج، یو. پی.

دسمبر 2008ء کے شمارے کا ایک تجزیاتی مطالعہ

مکرمی ایڈیٹر صاحب ماہ نامہ اشرفیہ   سلام مسنون

دسمبر 2008ء کا ماہ نامہ اشرفیہ پیشِ نظر ہے۔ سرورق پر الجامعۃ الاشرفیہ کے گنبد کی تصویر اس کو دل کش بنا رہی ہے اور اس کے ساتھ پھولوں کا گل دستہ گویا قارئین کے لیے اسلامی اور انگریزی سالوں کے اختتام پر ایک عمدہ الوداعی تحفہ ہے۔ مولانا مبارک حسین مصباحی کا نام ایڈیٹر کی حیثیت سے نمایاں ہے، مگر خلاف توقع اداریہ کے کالم میں مولانا محمد ادریس مصباحی صاحب رونق افروز ہیں۔ اداریہ کا عنوان ہے ''یورپ و امریکہ کی سیاسی بازی گری'' اس میں انھوں نے امریکہ اور یورپ کی سیاسی چال بازی کا ذکر کیا ہے، جس کے ذریعہ انھوں نے تمام اسلامی ممالک کے درمیان نااتفاقی پیدا کر دی ہے، اور اس کے بعد اقوامِ متحدہ اور امن عالم کے نام پر ان کے قدرتی وسائل اور معدنی ذخائر پر غاصبانہ قبضہ جما لیا ہے۔ انھوں نے اسلامی ممالک کی اس ذلت کا سبب باہم نااتفاقی اور رسہ کشی کو قرار دیا ہے اور تمام اسلامی ممالک کو متحد ہونے کا مشورہ دیا ہے۔

سوال و جواب کے کالم میں حافظ ملت کے فتاوے ہیں۔ یقیناً یہ نہایت معلوماتی اور عمدہ سلسلہ ہے۔ اس سے ایک طرف تو قارئین کو نادر مسائل سے واقفیت ہوتی ہے اور دوسری طرف حافظ ملت کا فقیہانہ پہلو بھی سامنے آتا ہے۔ بلاشبہہ حافظ ملت مختلف الجہات شخصیت کے مالک تھے۔

مسائل و مباحث کے کالم میں مفتی نظام الدین مصباحی صاحب کا مضمون ''جان و مال کا بیمہ اور اس کی شرعی حیثیت'' کے عنوان سے نہایت جامع اور محققانہ مضمون ہے، مفتی صاحب نے اس میں بیمہ کی جامع تعریف کی ہے اور بیمہ کی مختلف صورتوں اور ان کے احکام کو نہایت واضح پیرایہ میں ذکر کیا ہے۔

نظریات کے کالم میں مولانا ممتاز عالم مصباحی کا مضمون ''مسلمانوں کی اقتصادی بد حالی، اسباب و تدارک'' مسلمانوں کو فکر و عمل کی دعوت دے رہا ہے۔ راقم سطور مضمون نگار کی اس رائے سے متفق ہے: ''مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی کا اہم اور بنیادی سبب ہندستان کی تقسیم کو قرار دیا جا سکتا ہے۔'' یقیناً اگر تقسیم ہند نہ ہوئی ہوتی تو مسلمان عملاً ہر چیز میں برابر کے شریک ہوتے اور مسلمانوں کے متعلق سچر کمیٹی کی طرح شرم ناک رپورٹیں نہ آتیں۔ لیکن مضمون نگار نے مسلمانانِ ہند کی پسماندگی حکومت کی بے توجہی اور ناسازگاریِ حال ہی کو قرار دیا ہے، جب کہ اپنی غفلت اور علم سے لاپروائی کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

روحانیت کے کالم میں ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی کا مضمون ''مدارس میں تعلیم تصوف: ایک جائزہ'' کے عنوان سے ہے۔ اس مضمون میں ڈاکٹر صاحب نے تصوف کی جامع تعریف نقل کی ہے۔ قرآن و حدیث اور اقوال سلف سے یہ ثابت کیا ہے کہ تصوف اسلام کا اپنا طریقۂ کار ہے نہ کہ ہندو اور بدھ مت سے اخذ کیا ہوا خلاف شرع امور کا نام ہے۔ انھوں نے تصوف کی کچھ اہم اور معتبر کتابوں کا تعارف کرایا ہے اور تصوف کی تعلیم کا تاریخی حیثیت سے جائزہ لیا ہے۔ اٹھارہویں صدی تک تصوف جب جز و لاینفک کی حیثیت سے شامل نصاب تھا تو اب اس سے بے اعتنائی میں نہ جانے کون سے رازہائے سربستہ کار فرما ہیں۔ حالاں کہ طلبہ کی اخلاقی پس ماندگی اور دینی بے راہ روی تصوف کے شاملِ نصاب ہونے کا جبری تقاضا کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک اہم موضوع کی طرف خواص کو متوجہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ بہت اچھی پیش رفت ہے۔ اس کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

اسلامیات کے کالم میں مولانا تاج محمد ازہری کے مضمون کی دوسری قسط ہے، عنوان ہے ''معلمِ کائنات کی شادیوں کے پاکیزہ مقاصد'' اس میں انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شادیوں کے پاکیزہ مقاصد اور عمدہ نکات بیان کیے ہیں اور مستشرقین کے فاسد خیالات کی زہر افشانی کا محاسبہ کیا ہے۔ بلاشبہہ یہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ازہری صاحب کا ایک حسین نذرانۂ عقیدت ہے۔ آج ہمیں معاندینِ رسول کے مقابلے دفاعی نہیں بلکہ حملے کی پوزیشن اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

آئینۂ عالم کے کالم میں ''استعماریت اور اس کے ہتھکنڈے'' کے عنوان سے ڈاکٹر محمد محبّ الحق علی گڑھی کا مضمون ہے، انھوں نے استعماری طاقتوں کے مکر و فریب اور چالاکی و عیاری کو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے، جس کی وجہ سے انھوں نے دنیا کو اپنا محکوم بنا رکھا ہے۔ ان کے اس آمرانہ جذبے ہی کی بنا پر دنیا کو دو دو جنگ عظیم کا سامنا کرنا پڑا۔

شخصیات کے کالم میں پیر زادہ سید احمد القادری کا مضمون ''سیدنا قادری انجھری رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' کے عنوان سے ان کی حیات پر ایک اجمالی روشنی ہے۔ یہ بزرگ حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ مضمون نگار پیر زادہ سید احمد القادری صاحب کو تحریر و قلم سے کافی لگاؤ ہے، اس تعلق سے ان کے مضامین کئی رسالوں میں چھپ چکے ہیں۔

بزمِ دانش ماہ نامہ اشرفیہ کا ایک مستقل کالم ہے۔ اس میں ادارہ کی جانب سے دیے گئے عناوین پر اہلِ قلم کے مضامین ہوتے ہیں۔ اس بار عنوان ہے ''بین الاقوامی سیاسی حالات اور مسلمان'' اس پر ڈاکٹر رضاء الرحمٰن عاکف، اور مولانا عبد الرحمٰن مصباحی نے خامہ فرسائی کی ہے اور موضوع کے حوالے سے دونوں تحریریں بڑی معلومات افزا ہیں۔ آئینہ در آئینہ ایک سلسلہ وار کالم ہے۔ اس میں ماہ نامہ اشرفیہ کی پرانی فائلوں کے عناوین پیش کیے جاتے ہیں۔ تحریر و قلم سے دل چسپی رکھنے والوں کے لیے یہ مفید چیز ہے۔ نقد و نظر کے کالم میں محمد شہاب الدین مصباحی نے ''مآثر الکرام تاریخ بلگرام'' پر تبصرہ کیا ہے۔ اس کے مصنف حسان الہند علامہ میر غلام علی آزاد بلگرامی ہیں۔ یہ کتاب فارسی میں تھی۔ مفتی محمد یونس رضا مونس اویسی صاحب نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ کتاب بقول تبصرہ نگار ''علما و مشائخ کی سوانح پر سند کی حیثیت رکھتی ہے۔''

مجموعی طور سے رسالہ معیاری ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کی مقبولیت میں دن بہ دن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ خاص و عام میں اس کی پذیرائی ہو رہی ہے، اور اب طلبہ بھی اس میں دل چسپی لینے لگے ہیں۔ یقیناً یہ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب کی کوششوں اور انتھک محنتوں ہی کا نتیجہ ہے کہ اس کے معیار میں دن بدن بلندی آتی جا رہی ہے۔ آج مولانا مبارک حسین صاحب کا شمار ملک کے بڑے قلم کاروں میں ہوتا ہے۔

محمد عارف رضا، چریا کوٹ، مئو

وفیات

مولانا عبد القدوس رضوی کٹیہاری نہ رہے

19 دسمبر 2008ء کی شب حضرت مولانا عبد القدوس رضوی کٹیہاری کی اپنے وطن کٹیہار میں داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ مولانا موصوف طویل عرصے سے علیل ضرور تھے، لیکن اچانک اس نوبت کے آنے کی کسی کو توقع نہ تھی۔ ان کے سانحۂ ارتحال سے بہت بڑا حلقہ سوگوار ہے۔ یقیناً سچ ہے: موت العالم موت العالَم۔

موصوف کی شخصیت بڑی جامع تھی، گوناگوں خصوصیات و اوصاف کے مالک تھے اور قوم و سنیت کا درد انھیں وافر مقدار میں ملا تھا۔ موصوف نے اپنی عمر کا بہت بڑا حصہ بہار شریف میں گزارا اور اس مردم خیز خطے کے لیے موصوف نے جو دینی، ملی اور سماجی خدمات انجام دیں اسے اہل بہار شریف کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ بہار شریف کا حساس ترین محلہ ''محلہ مغل کنواں'' کی جامع مسجد میں مولانا موصوف ایک عرصے تک امام و خطیب رہے اور یہیں سے علم و فضل کا چشمہ بہایا اور سنیت کی پاکیزہ خوشبوئیں یہاں کی فضا میں حلول کر گئیں۔ موصوف کو ان کے وطن اصلی کٹیہار کے مشہور گاؤں ''دلشاد پور'' میں دفن کیا گیا۔ بلاشبہہ یہ سانحہ ملت کے لیے بڑے خسارے کا باعث ہے۔

مختلف محلوں میں تعزیتی نشستیں، قرآن خوانی اور ایصال ثواب کا پروگرام رکھا گیا۔ مدرسہ اصدقیہ مخدوم اشرف چکی تالاب نے بڑے اہتمام سے تعزیتی نشست منعقد کی اور یہاں کے جملہ مدرسین و طلبہ اور قرب و جوار کے بہت سارے لوگوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی اور افسردگی کا اظہار کیا۔

مولانا قاری تاج الدین خوشتر سہرامی،
مدرسہ اصدقیہ مخدوم اشرف چکی تالاب بہار شریف

فتاواے حافظ ملت

ماہ نامہ اشرفیہ میں کئی سال سے فتاواے حافظ ملت کا سلسلہ جاری تھا۔ ہمیں فتاواے حفظ ملت کا جو رجسٹر دستیاب ہوا تھا وہ فروری 2009ء میں مکمل ہو گیا۔ اگر کسی صاحب کے پاس حضور حافظ ملت کے فتاویٰ ہوں تو وہ عنایت فرما دیں، ہم ان کے شکریہ کے ساتھ شائع کر دیں گے۔ اب ہم نے فتاواے حافظ ملت کو کتابی شکل میں مرتب کرنے کا کام شروع کر دیا ہے۔ یہ دستاویز ان شاء اللہ جلد ہی آپ کے ہاتھوں میں ہوگی۔

از مبارک حسین مصباحی

تنظیمی سرگرمیاں

انبیا اور اولیا کی توہین کے خلاف

تنظیم ابنائے اشرفیہ کا شدید رد عمل

روزنامہ اردو ٹائمز ممبئی میں 27/دسمبر 2008ء کو عبدالوحید فیاضی کا ایک اشتعال انگیز مضمون ''درد کی آنکھوں میں آنسو آگئے'' شائع ہوا جس میں موصوف نے ایسی درد انگیز اسلام مخالف باتیں تحریر کی ہیں جو اسلام کے مسلّم عقیدہ وفکر سے متصادم ہیں، جنھیں پڑھ کر خوش عقیدہ مسلمانوں میں غم وغصے کی لہر دوڑ گئی۔ موصوف لکھتے ہیں: ''خالق کائنات کے علاوہ کوئی نفع ونقصان نہیں پہنچا سکتا، اللہ کے علاوہ کوئی کچھ نہیں کرسکتا۔ ولی، پیر، فقیر، پیغمبر کسی کو بھی اللہ نے یہ اختیار نہیں دیا ہے۔ اگر اختیار ہوتا تو رسول خود سب سے زیادہ اختیار کے اہل تھے، حالاں کہ کوئی رسول اپنی قوم کو اذیتوں سے محفوظ نہیں رکھ سکا۔''

اس طرح کی بکواس کو انبیا اور اولیا سے عقیدت رکھنے والے مسلمان کبھی برداشت نہیں کرسکتے۔ اس قسم کے عقائد ونظریات قرآن واحادیث کے خلاف بھی ہیں اور عقائد اسلاف سے متصادم بھی۔ اگر اس بکواس کے خلاف تفصیل سے لکھا جائے تو ایک دفتر تیار ہوسکتا ہے۔۔ شاید مضمون نگار نے تصرف واختیار کا معنی نہیں سمجھا، یا اپنی موروثی ہٹ دھرمی کی بنا پر انبیا واولیا کی عظمتوں پر اوچھے حملے کررہے ہیں۔ ہر دور کے مسلمانوں کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ اللہ کے مقرب بندے دنیوی واخروی امور میں تصرف کرتے ہیں۔ قرآن وحدیث اور تاریخ اسلام کے سیکڑوں واقعات سے یہ ثابت ہے کہ باذن اللہ غیر اللہ سے بھی مدد مانگی جاسکتی ہے۔ حقیقی تصرف واختیار کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی عطا سے اس کے محبوب بندے بھی تصرفات واختیارات کی قدرت رکھتے ہیں، کیا دیوبندی مکاتب فکر کے لوگ اپنی مساجد ومدارس کے لیے غیر اللہ سے مدد نہیں مانگتے ہیں؟ بلاشبہہ انبیا واولیا سے استعانت واستمداد روز روشن کی طرح عیاں ہے، مگر ع: دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے؟

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے: ''اور انھیں کیا برا لگا، یہی نہ کہ انھیں اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے دولت مند کر دیا۔'' (سورہ توبہ، آیت 74)

قرآن ہی کا ارشاد ہے: ''اور کیا ہی اچھا تھا، اگر وہ خدا اور اس کے رسول کے دیے پر راضی ہوتے اور کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے، اب اللہ اور رسول اپنے فضل سے دیں گے بے شک ہم اللہ کی طرف راغب ہیں۔ (سورہ توبہ، آیت: 59)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''جو کچھ رسول تمھیں دیں وہ لو اور جس سے منع کریں رک جاؤ۔'' (سورہ حشر، آیت: 7)

حدیث شریف میں ہے: ''کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ میں دنیا اور آخرت میں سب سے زیادہ اس کا والی نہ ہوں۔'' (بخاری 705/2م، مسلم 36/2)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ''میں سب سے پہلے قبر سے باہر آؤں گا، جب لوگ اٹھائے جائیں گے اور میں ان کا پیشوا ہوں، جب وہ بارگاہ ایزدی میں حاضر ہوں اور میں ان کا خطیب ہوں جب وہ دم بہ خود ہوں، اور میں ان کا شفیع ہوں جب وہ محبوس ہوں گے اور میں خوش خبری دینے والا ہوں جب وہ ناامید ہوں گے۔ عزت اور کنجیاں اور لواء الحمد اس دن میرے ہاتھ میں ہوگا۔'' (ترمذی شریف 201/2)

بزرگان دین بھی دنیا وآخرت میں تصرفات کرتے رہتے ہیں۔ حضرت مولانا عبد الرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ نفحات الانس میں فرماتے ہیں کہ مولانا روم علیہ الرحمہ نے اپنے وصال کے وقت فرمایا: ''میرے جانے سے غم گین نہ ہو، مجھے یاد کرنا تاکہ میں ہر حال میں تمہارا مددگار رہوں۔''

ان آیات، احادیث اور واقعات سے انبیا اور اولیا کا اختیار صراحۃً ثابت ہو رہا ہے۔

اس طرح کی دل آزار تحریروں سے جن سے مسلمانوں کے جذبات اور ان کی عقیدت کو ٹھیس پہنچے، مضمون نگار کو پرہیز کرنا چاہیے۔ تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارک پور کے ارکان نے اس تحریر کی اشاعت پر گہرے رنج وافسوس کا اظہار کیا۔ تنظیم کے جنرل سکریٹری مولانا مبارک حسین مصباحی نے کہا کہ انبیا واولیا کی عظمتوں پر ہونے والے حملوں کو ہرگز برداشت نہیں کیا جائے گا۔ ایسی تحریریں صرف بزرگان دین کے خلاف نہیں بلکہ اسلامی افکار ونظریات کے خلاف ہیں۔

تنظیم ابنائے اشرفیہ شاخ ممبئی کے نگراں مولانا شرف الدین مصباحی نے کہا: مسلمانوں میں اس قسم کے نظریات پھیلانا، اسلام دشمن عناصر کی سازش کا نتیجہ ہے۔ اس مضمون نگار کو چاہیے کہ وہ اس قسم کی بیہودہ بکواس سے معافی مانگے اور آئندہ اس قسم کی ہرزہ سرائی کی جرأت نہ کرے۔

از: شہاب الدین مصباحی

سنی دعوت اسلامی کا اٹھارہواں سالانہ سنی اجتماع

مظہر حسین علیمی

اجتماع کا پہلا دن: اجتماع کا پہلا دن خواتین کے لیے مخصوص تھا، اجتماع کا آغاز قاری ریاض الدین اشرفی کی تلاوت سے ہوا، ترجمۂ قرآن حافظ افضل برکاتی اور انگلش ترجمہ حافظ محمد معین الدین نے پیش کیا۔ الحاج محمد رضوان صاحب کی نعت ونظامت اور معین المشائخ حضرت سید معین اشرف صاحب کے دعائیہ کلمات سے باضابطہ آغاز ہوا۔ محقق مسائل جدیدہ حضرت مفتی نظام الدین رضوی (صدر مفتی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور) نے ایک درجن سے زائد اہم مسائل کے جوابات دیئے اور آپ نے خواتین کو نصیحت فرمائی کہ وہ شریعت کی روشنی میں اپنی زندگیاں گزاریں۔ شریعت نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان کے استعمال سے بچیں اور اپنے بچوں کو بھی اسی طرح کی تعلیم دے کر اُن کی ذہن سازی کریں۔ پھر سہ ماہی سنی دعوت اسلامی کے خصوصی شمارہ ''دعوت نمبر'' کا اجرا عمل میں آیا۔

مبلغات نے خواتین کی تعلیم وتربیت کے لیے حلقے لگائے، کچھ ضروری مسائل سے خواتین اسلام کو روشناس کرایا۔ اذان عصر ہوئی، خواتین اسلام اپنے رب کے حضور سربسجود ہوئیں۔ پھر مفکر اسلام حضرت علامہ قمر الزماں اعظمی (جنرل سکریٹری ورلڈ اسلامک مشن لندن) نے خواتین اسلام سے خطاب فرمایا اور خواتین کو بتایا کہ ''معاشرے کی اساس اور خشت اول عورتوں پر رکھی گئی ہے جب تک حضرت آدم علیہ السلام تنہا تھے اس وقت تک معاشرے کا وجود عمل میں نہیں آیا تھا بلکہ جب حضرت حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دنیا میں بھیجا اس وقت معاشرے کا وجود عمل میں آیا۔ اسلام ایک منفرد صالح اور پاکیزہ معاشرہ قائم کرتا ہے جس میں عورت کا مقام بھی منفرد نظر آتا ہے اسی کے ساتھ یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ ایک عورت اگر چاہے تو معاشرے کو سنوار سکتی ہے اور وہ اسے تباہ بھی کرسکتی ہے۔ آج جہاں ہر طرف انارکی اور وحشت کا دور دورہ ہے وہیں رحمٰن کے خاص بندے اور بندیاں معاشرے کو سنوارنے میں لگے ہیں۔ موصوف نے یہ فرمایا کہ ''مائیں اور بہنیں اپنے لاڈلوں کی تربیت اسلامی طرز پر فرمائیں اور ان ماؤں کو سامنے رکھیں جنھوں نے صبح وشام اپنے بچوں کی پرورش خدا کے احکامات اور شریعت مصطفیٰ کی روشنی میں کی تھی۔ افسوس کا مقام یہ ہے کہ ہماری صبح وشام ٹی وی پر دکھائی جانے والے فحش مناظر سے ہوتی ہے، ہم سب کو اس سے بچنے کی ضرورت ہے۔

پھر عطائے مفتی اعظم حضرت حافظ وقاری مولانا محمد شاکر نوری امیر سنی دعوت اسلامی کا ولولہ انگیز اور بصیرت افروز بیان ہوا۔ آپ نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ معاشرے میں برائیوں کا سیلاب مختلف صورتوں میں پھیل رہا ہے وہ گناہ جن کی وجہ سے ہم اور آپ جہنم کے دہکتے ہوئے شعلوں کا شکار ہوسکتے ہیں مثلاً جھوٹ، غیبت، چغلی، زنا شوہر کے خلاف ورغلانا، ناچ گانے میں گرفتار ہونا ان تمام برائیوں سے بچنا ضروری ہے۔ خواتین کا یہ اجتماع ذکر ودعا اور صلوٰۃ وسلام پر ختم ہوا۔ ایک لاکھ سے زائد خواتین نے شرکت کی۔ بقول علامہ اعظمی مذہب کے نام پر خواتین کا یہ سب سے بڑا اجتماع ہوتا ہے۔

اجتماع کا دوسرا اور تیسرا دن مردوں کے لیے مخصوص تھا۔

دوسرے سیشن کا آغاز مولانا اختر رضا کی تلاوت سے ہوا۔ جناب راشد رضوی صاحب نے قصیدہ بردہ شریف کے کچھ اشعار سے سامعین کو محظوظ کیا۔ مولانا اختر رضا صاحب نے ''رسول اللہ مالک ومختار ہیں'' کے عنوان پر خطاب کیا اور مبلغ سنی دعوت اسلامی محمد امتیاز نے فرمایا کہ ہم جھوٹ، حسد، غیبت، زنا، چوری اور تمام رذائل اخلاق سے پرہیز کریں اور سچے دل سے توبہ کریں۔ پھر مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری نے ''قادیانیت ایک فتنہ'' کے عنوان پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا: قادیانی دھرم انگریزوں کے سایہ تلے پروان چڑھا۔ آج بھی قادیانیوں کا سینٹر برطانیہ میں موجود ہے اور نصیحت فرمائی کہ ایسے بدمذہبوں سے دور رہیں۔ اسی نورانی اور پرکیف ماحول میں سید محمد امین میاں مالیگاؤں نے خطاب کیا پھر مبلغ محمد صادق رضوی نے ''درود وسلام کے فضائل'' پر گفتگو فرمائی پھر اذان عصر ہوئی، لوگ خالق حقیقی کی بارگاہ میں سربسجود ہوئے۔ پھر حضرت محقق مسائل جدیدہ

نے لوگوں کے پوچھے گئے سوالات کا شرعی حل پیش فرمایا۔

نمازِ مغرب کے بعد مفسر قرآن حضرت علامہ قاری ظہیر الدین صاحب کا خطاب ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ جنت محض حور و قصور اور باغ و بوستاں کا نام نہیں ہے وہاں تمام چیزیں موجود ہیں اس کا نام جنت نہیں ہے دراصل جنت اس آزادی کا نام ہے جس کے بارے میں قرآن نے فرمایا" ولکم فیھا ماتشتھی انفسکم "یعنی جس چیز کی تم خواہش کرو وہاں تمہارے لئے موجود ہے اور مکمل آزادی کا نام جنت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس آیت کریمہ میں دو شان بیان کیے گئے ہیں ایک شان بندگی، دوسری شان بندہ پروری۔ شان بندگی یہ ہے کہ جب تم اللہ کو ایک مان لیے ہو تو مرتے دم تک اسی پر قائم رہنا اور اسی کی اطاعت و بندگی میں زندگی تمام کر دینا۔ شان بندہ پروری یہ ہے کہ تمہارے لیے بعد مرگ وہ تمام چیزیں ہیں جس کی تم آرزو کرتے ہو۔ اور حالات حاضرہ پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ دہشت گردی کو کسی دین اور دھرم سے جوڑنا مناسب نہیں اس لیے کہ کسی بھی دین اور دھرم میں دہشت گردی کی تعلیم نہیں۔ جو لوگ دہشت گردی کو مذہب سے جوڑتے ہیں بہت برا کرتے ہیں۔ دہشت گردوں کو سیاست میں تلاش کرو مذہب میں نہیں۔

مفکر اسلام علامہ قمر الزماں اعظمی (لندن) نے "اسلام اور احترام انسانیت" کے عنوان پر خطاب کے دوران فرمایا کہ "اسلام میں انسان کا مقام سب سے بلند ہے، قرآن عظیم نے انسانی کرامت کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا "لقد کرمنا بنی آدم "ہم نے انسان کے سر پر عزت و کرامت کا تاج رکھا ہے، انسان تخلیق الٰہی کا شاہ کار ہے، قرآن عظیم کا فرمان ہے "لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم "ہم نے انسان کو بہترین تقویم میں پیدا فرمایا ہے۔ انبیائے کرام کی تشریف آوری کا بنیادی مقصد بندوں کو اللہ کی بندگی کے ساتھ ساتھ انسانیت کے احترام کی تعلیم دینا تھا۔ حضرت مفکر اسلام نے فرمایا: تاریخ انسانی میں جب بھی کسی قوم نے ظلم و جبر کا راستہ اختیار کیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا تا کہ انسان پیکر عدل اور مجسمۂ رحم و کرم بن جائے۔ ظلم انسان کو مقام انسانیت سے گرا دیتا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسلامی معاشرے کی بنیاد عدل و انصاف اور رحم و کرم پر رکھی۔ قرآن نے ظلم کے جواب میں ظلم کو شدت سے منع فرمایا یعنی اگر مظلوم طبقہ کبھی غلبہ حاصل کر لے تو اس کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ انتقام کے طور پر ظلم کرے اور حد سے تجاوز کرے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا" تم کو کسی قوم کی زیادتی اور ظلم عدل و انصاف کے تقاضوں سے منحرف نہ کر دے تم ہر حال میں عدل کرو"۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "الخلق عیال اللہ" تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے چنانچہ جو اللہ کے کنبے سے محبت کرے گا وہ اللہ کی رحمت کا مستحق ہو گا۔ ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا گیا" زمین والوں پر تم رحم کرو آسمانوں کا خالق تم پر رحم کرے گا"۔ قرآن عظیم میں ارشاد فرمایا گیا "جس نے کسی انسان کو بلا وجہ قتل کیا اس نے پوری انسانیت کو قتل کیا اور جس نے کسی انسان کی جان بچائی اس نے پوری انسانیت کی جان بچالی"۔

دوسرے روز کا اجتماع مفکر اسلام کے خطاب پر اختتام پذیر ہوا۔ ملک کے مختلف گوشوں سے آئے ہوئے لوگوں کی تربیت کا سلسلہ جاری رہا، پھر آرام کا وقفہ رہا۔ تہجد کی نماز پانچ بج کر دس منٹ پر ہوئی، نماز تہجد سے لے کر اذان فجر تک سید محمد صاحب مبلغ سنی دعوت اسلامی نے حلقۂ درس کی ذمہ داری سنبھالی بعد نماز فجر سنی اجتماع کا آغاز تلاوت قرآن سے ہوا۔ پھر مبلغین نے حضور کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کیا پھر درس قرآن کا سلسلہ چلا۔ اشراق و چاشت کی نمازیں ادا کی گئیں، درمیان میں ۴۵ منٹ کا وقفہ دیا گیا۔ پھر اجتماع کے دوسرے سیشن کا آغاز ہوا۔ آج بھی کئی اہم مبلغین اور علما کے بیان ہوئے۔

بعد ظہر ختم بخاری شریف اور اٹھارہ علما اور حفاظ کی دستار بندی علماو مشائخ کے ہاتھوں ہوئی۔ ملک کی عظیم دینی دانش گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کے شیخ الحدیث عالم جلیل حضرت علامہ مولانا عبدالشکور صاحب قبلہ نے بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس دیا اور دعا فرمائی۔ مفتی محمد زبیر مصباحی نے تقلید کی شرعی حیثیت کے عنوان پر جامع خطاب فرمایا۔ پھر سوال اور جواب کا سیشن شروع ہوا۔ آج پھر سوالات کی بارش تھی، تاہم اہم سوالات کے جوابات حضرت محقق مسائل جدیدہ نے نہایت سادہ لب ولہجہ اور عام فہم انداز میں پیش فرمایا۔

امیر سنی دعوت اسلامی نے اپنے خطاب میں امت مسلمہ کو پیغام دیتے ہوئے فرمایا۔ موجودہ دور میں بے چینی اور بے قراری کا علاج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم ناز سے قریب ہونا ہے۔ جب تک یہ امت اپنے ہر مصائب و الام اور ہر ضرورت کے سلسلے میں بارگاہ رسول میں رجوع کرتی رہی تو امت کی پریشانیاں پل بھر میں

دور ہو جاتیں کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر امت کا مشقت میں پڑنا ناپسند ہے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ اُمت اس رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدموں کی طرف پلٹ آئے جو دونوں جہاں کی پریشانیوں کا حل بن کر تشریف لائے۔ آیئے ہم عہد کریں کہ اپنے زندہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدموں سے قریب تر ہونے کی کوشش کریں۔

صحابہ کرام قاسم نعمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہر چیز مانگا کرتے تھے بلکہ حضور کی آمد سے قبل یہود آپ کے وسیلے سے دعائیں کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ فتح و نصرت سے نوازتا۔ لیکن آج اپنی چرب زبانی، انگریزی دانی کے غرور میں مبتلا، اپنے آپ کو اسلام کا ٹھیکیدار بتانے والا نام نہاد ڈاکٹر حضور سے مانگنے کو حرام قرار دیتا ہے اور حضور کو مردہ سمجھتا ہے۔ ایسے جاہل سے بچیں اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی تعلیمات پر عمل کریں۔

پھر مفکر اسلام نے "اسلام کا نظام معیشت" کے عنوان پر جامع خطاب میں فرمایا۔ "اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے۔ جو زندگی کے تمام شعبوں کی مکمل رہنمائی کرتا ہے، دنیا کے دوسرے مذاہب کی طرح اسلام صرف عبادات اور دعاؤں ہی کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ وہ ایک مکمل نظام عبادت، مکمل نظام معیشت، مکمل نظام اخلاق، مکمل نظام معاشرہ اور ایک مکمل نظام حکومت پیش کرتا ہے۔ اسلام میں دین اور دنیا کی تقسیم نہیں ہے، بلکہ دین و دنیا کا جو کام بھی اسلامی قوانین کے مطابق کیا جائے وہ عبادت ہے، انسان کی پیدائش سے لے کر موت تک زندگی کے تمام گوشوں کی رہنمائی کرتا ہے، وہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی دونوں زندگیوں کے لیے مکمل قوانین فراہم کرتا ہے، عیسائیت کی طرح اس کی تعلیم یہ نہیں کہ خدا کا حق خدا کو دے دو اور دنیا کو اپنی مرضی کے مطابق چلاؤ۔ یہی وجہ ہے کہ عیسائیت صرف چند دعاؤں کا مجموعہ بن کر رہ گئی ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہر اعتبار سے مکمل نمونۂ حیات ہے، چنانچہ حکومت ہو یا تجارت، زراعت ہو یا دست کاری اسلام نے ہر ایک کے لیے واضح ہدایات عطا فرمائی ہیں۔ اسلام نے محنت پر بے پناہ زور دیا ہے اور قرآن کا فرمان ہے' لیس للانسان الا ماسعی "انسان کے لیے وہی ہے جو وہ کوشش کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انسان کے وسیلۂ حیات و معاش کاشتکاری پر زور دیا اور ارشاد فرمایا کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ بنجر زمینوں کو کاشتکاری کے قابل بنانے کا کتنا ثواب ہے تو کرۂ ارض پر کوئی زمین بنجر نہ رہ جائے۔ ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تم اپنی زمینوں کو آباد نہ کر سکو تو اسے بے زمین کسانوں میں تقسیم کر دو تا کہ پیداوار بڑھائی جا سکے۔

ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارے کھیتوں سے پرندے کھائیں گے تو تمہیں صدقہ کا ثواب میسر آئے گا۔

تجارت کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ "التاجر الصدوق الامین مع الانبیاء والصدیقین والصالحین" قیامت میں سچا اور امانت دار تاجر انبیا، صدیقین اور صالحین کے ساتھ ہو گا۔ ارشاد فرمایا کہ دنیا میں معیشت کا انحصار تجارت پر ہو گا اور دنیا کا 90% سرمایہ تجارت کے ذریعہ حاصل ہو گا۔ قرآن عظیم نے حصول معاش کو نماز کے بعد فرض قرار دیا چنانچہ سورۂ جمعہ میں ارشاد فرمایا گیا کہ جب نماز جمعہ ختم ہو جائے تو زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ کا رزق تلاش کرو چنانچہ جب تک مسلمان اسلام کے نظام معیشت اور معاش کے اصولوں پر عمل کرتے رہے دنیا میں معاشی اعتبار سے غالب رہے۔ اسپین سے لے کر انڈونیشیا تک ان کی تجارت کا دائرہ پھیلا ہوا تھا۔ ان کے سامان تجارت سے دنیا کے بازار بھرے ہوئے تھے اور سمندروں پر ان کی حکومت تھی۔ ان کے تجارتی جہازوں نے دنیا کے تمام سمندری ساحلوں کو کاروباری منڈیوں میں تبدیل کر دیا تھا مگر جب مسلمانوں کے اندر کسل اور سستی بے عملی اور ناکارگی پیدا ہوئی تو وہ معاشی اعتبار سے پسماندہ ہو گئے۔

دنیا میں مسلمانوں کی تعداد 24% سے زائد ہے مگر اللہ نے ان کو جو وسائل حیات زمین، معدنیات اور افرادی قوت کے اعتبار سے عطا فرمائے ہیں وہ 26% ہیں۔ اگر مسلمان اپنے وسائل کو صحیح طور پر استعمال کرے تو آج دنیا میں کوئی مسلمان غریب نہ ہو گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان قرآن عظیم کی تعلیمات کے مطابق ذریعۂ معاش کے لیے کوشش کرے۔

پھر ہالینڈ سے آئے ہوئے عالم دین حضرت علامہ شفیق الرحمٰن عزیزی مصباحی نے اسالیب دعوت کو بیان فرمایا اور تحریک سنی دعوت اسلامی کی خدمات کو سراہتے ہوئے امیر سنی دعوت اسلامی و اراکین تحریک کو مبارک باد پیش کی۔ ذکر و دعا صلوٰۃ و سلام پر سنی دعوت اسلامی کا سہ روزہ اجتماع اختتام پذیر ہوا۔ ☆☆☆

خیر و خبر

مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن کا جشن یوم تاسیس

مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن شاہی مسجد بڑا چاند گنج کا اٹھارہواں جشن یوم تاسیس یکم محرم الحرام 1430ھ مطابق 29/دسمبر 2008ء زیر اہتمام انجمن فیضان نوری طلبۂ مدرسہ ہذا تزک واحتشام کے ساتھ منایا گیا۔ اس موقع پر بعد نمازِ عشا مدرسہ کے مہتمم حضرت قاری محمد احمد بقائی کے زیر سرپرستی شہدائے کربلا کی یاد میں ایک پر وقار تقریب منعقد ہوئی۔ جس کا آغاز قاری لئیق احمد اشرفی کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ تقریب کی صدارت مفتی حبیب اللہ خاں نعیمی نے کی۔ انھوں نے ''غیر رسم عربی میں قرآن حکیم کی کتابت'' عنوان پر صدارتی خطبہ دیا اور کہا کہ قرآن حکیم کے متن عربی کو کسی بھی دوسری زبان میں منتقل کر کے شائع کرنے کی ہرگز اجازت نہ دی جائے اس لیے کہ قرآن پاک کو صحیح و درست پڑھنا فرض عین ہے۔ مقرر خصوصی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے استاذ حضرت علامہ مسعود احمد برکاتی تھے۔ آپ نے اپنے خطاب میں فکر آخرت پر خصوصی زور دیا اور مسلمانوں کو قرآن وسنت کے مطابق زندگی گزارنے کی تلقین کی۔

دار العلوم نور الحق فیض آباد کے مہتمم قاری رئیس احمد خاں، مولانا شکیل الرحمٰن مصباحی، مولانا ریاض احمد، ڈاکٹر حمایت جائسی نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی۔ نظامت کے فرائض قاری جمیل احمد نظامی نے انجام دیے۔ افتتاحی تقریر قاری محمد عرفان قادری ضیائی نے ''اسلامی نیا سال اور اہلِ ایمان کی ذمہ داریاں'' عنوان پر کی۔ شعبۂ تجوید وقراءت کے سربراہ قاری ذاکر علی قادری کی نگرانی میں منعقد اس تقریب کا اختتام قریب گیارہ بجے شب صلوٰۃ وسلام اور قاری محمد احمد بقائی کی پرسوز دعا پر ہوا۔

از: محمد مصطفیٰ رضا قادری، متعلم مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن، لکھنؤ

خانقاہ عالیہ صمدیہ مصباحیہ میں عرس فاتحہ و چہلم

خانقاہ عالیہ صمدیہ مصباحیہ پھپھوند شریف میں صاحب سجادہ سید المتوکلین حضرت سید اکبر میاں چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی فاتحۂ چہلم کی تقریبات نہایت تزک و احتشام کے ساتھ منعقد ہوئیں، جس میں خانقاہوں کے سجادگان، مدارس اسلامیہ کے علما وطلبہ اور ہزاروں مقامی و بیرونی عقیدت مندوں نے شرکت کی۔

2/جنوری 2009ء بروز جمعہ بعد نمازِ عشا طرحی نعتیہ ومنقبتی مشاعرہ کا انعقاد ہوا۔ نظامت کے فرائض ڈاکٹر عباس حیدر چشتی نے انجام دیے اور صدارت خانقاہ حافظیہ اسلمیہ خیر آباد (اودھ) کے سجادہ نشین سید فرقان وحید میاں چشتی ہاشمی نے فرمائی۔ مشاعرے میں متعدد شعرا نے اپنا کلام پیش کیا، جن میں حضرت مولانا سالم میاں قادری بدایونی، طلیش صدیقی کانپوری، منظر چشتی پھپھوندوی، امیر گوالیاری، سراج تنویر جالونوی، نازاں جالونوی، مظفر چشتی پھپھوندوی، قدسی بدایونی، سید نواز اختر پھپھوندوی، شیدا چشتی، کمال نفیس وغیرہ کے اسما خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

3/جنوری بروز ہفتہ بعد نمازِ فجر ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی کا اہتمام ہوا۔ بعد نماز ظہر غسلِ مزار پاک اور گل پوشی وچادر پوشی کا پروگرام عمل میں آیا۔ بعد نمازِ عصر قل شریف کا پروگرام تھا۔ اس سے قبل حضرت مفتی انفاس الحسن چشتی شیخ الحدیث جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف نے حضرت کے اوصاف وکمالات پر ایک مختصر اور جامع خطاب فرمایا۔ پھر علما ومشائخ اور ہزاروں فرزندانِ توحید کی موجودگی میں قل شریف کا آغاز ہوا۔ حضرت مولانا سید اختر میاں چشتی نے نہایت رقت انگیز دعا فرمائی۔ بعد نمازِ عشا تلاوت کلام پاک اور نعت ومنقبت کے بعد علمائے کرام اور مشائخ عظام نے حضرت صاحب سجادہ کے تعلق سے اپنے قیمتی تاثرات پیش کیے۔ خیر الاذکیا علامہ محمد احمد مصباحی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے فرمایا کہ ہمارے بزرگوں کے ساتھ ہمیشہ سے یہ ظلم ہوتا چلا آرہا ہے کہ ان کی حیات مبارکہ میں ان کے حالات اور دینی ومذہبی خدمات قلم بند نہیں کیے جاتے، جس کی وجہ سے بڑی بڑی شخصیتیں بھی پردۂ خفا میں رہ جاتی ہیں اور لوگ ان کے علمی کمالات اور فیوض وبرکات سے بہرہ مند نہیں ہو پاتے۔ حضرت صاحب سجادہ علیہ الرحمہ کے ساتھ یہ ظلم نہیں ہونا چاہیے۔ حیات مبارکہ میں اگر یہ کام نہیں ہو سکا تو ان کی جامع سوانح ضرور مرتب ہونی چاہیے، تاکہ آنے والی نسلوں کے لیے نمونۂ عمل اور خضر راہ بن سکے۔

حضرت مفتی شیخ رحمت اللہ عزیزی، شیخ الحدیث مدرسہ مدینۃ العلم بھدوہی نے فرمایا کہ حضرت صاحب سجادہ اپنے اسلاف کے سچے نمونہ اور اکابر ومشائخ کے طریقے پر صحیح طور سے گام زن تھے۔

مصلح قوم وملت حضرت مولانا عبد المبین نعمانی مصباحی نے فرمایا: حضور مفتی اعظم ہند بریلوی، حضور مجاہد ملت، حضور حافظ ملت علیہم الرحمہ کے بعد ان جیسی خدا رسیدہ شخصیتوں کے دیدار کے لیے آنکھیں ترس جاتی تھیں۔ لیکن جب پہلی بار حضور صاحب سجادہ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا تو آنکھوں کو چین اور دل کو قرار نصیب ہوا۔

خطیب اسلام مولانا مسعود احمد برکاتی مصباحی نے فرمایا کہ اس خانقاہ مقدسہ نے وقتی اور جذباتی تنازعات سے دور رہ کر دین وسنیت کی خدمت کا

فریضہ بڑے خلوص کے ساتھ انجام دیا ہے۔ یہ اس کا طرۂ امتیاز ہے۔

مولانا اسید الحق قادری بدایونی نے حضرت کے اوصاف وکمالات اور ان کی حیات مبارکہ کے تعلق سے اپنے مشاہدات کو نہایت شگفتہ لب و لہجے میں پیش فرمایا۔ پھر حضرت مفتی انفاس الحسن چشتی جو حضرت کے چہیتے مرید اور خلیفہ ہیں، حضرت کی مبارک زندگی کا تفصیلی خاکہ پیش کیا۔

ان کے علاوہ مولانا نفیس احمد مصباحی، مولانا صدر الوریٰ قادری مصباحی، مولانا مجاہد حسین رضوی مصباحی نے بھی اپنے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ اس موقع پر ملک کے جن مقتدر علمائے کرام و پیرانِ عظام نے فاتحۂ چہلم کی مختلف تقریبات میں شرکت کی ان کے اسما حسب ذیل ہیں:

پیر طریقت سید فرقان وحید میاں سجادہ نشین خانقاہ حافظیہ خیر آباد (اودھ)، شیخ طریقت حضرت مولانا سالم میاں سجادہ نشین خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں، مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی، مولانا نصر اللہ رضوی، مولانا قاضی شہید عالم رضوی مصباحی، مولانا اختر حسین فیضی مصباحی، قاضی خطیب عالم مصباحی، مولانا فہیم احمد مصباحی، مولانا شریف الحسن مصباحی، مولانا محبوب فیضی، مولانا ضیاء الدین وغیرہ۔

محمد ساجد رضا مصباحی، جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف

جامعہ اشرفیہ میں شہدائے کربلا کے موضوع پر عظیم الشان اجلاس

5/جنوری۔ برصغیر کی مرکزی درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ میں طلبۂ جماعت رابعہ کے زیر اہتمام بسلسلۂ ذکر شہدائے کربلا ایک عظیم الشان جلسہ کا انعقاد ہوا جس میں جامعہ کے طلبہ واساتذہ کے علاوہ مقامی لوگوں نے بھی کثیر تعداد میں شرکت کی۔ جلسے کی صدارت حضرت علامہ محمد احمد مصباحی پرنسپل جامعہ اشرفیہ فرما رہے تھے۔ آغاز بعد نمازِ عشا حافظ وقاری ابرار احمد امبیڈکر نگری کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ جامعہ کے طلبہ محمد قاسم گجراتی، محمد شاہد الحق جون پوری نے باری باری نعت ومنقبت پیش کیں۔

مولانا نور احمد مصباحی نے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ جس کو جتنا محبوب رکھتا ہے اس کو اسی قدر آزمائش میں ڈالتا ہے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کو سخت ابتلا وآزمائش کی منزلوں سے گزرنا پڑا، یہی ان کی محبوبیت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

تنظیم ابنائے اشرفیہ کے جنرل سکریٹری مولانا مبارک حسین مصباحی نے کربلا کے دل دوز واقعات کو بیان کر کے سامعین پر رقت طاری کر دی۔ تاریخ کربلا پر بھرپور روشنی ڈالتے ہوئے تاریخی شواہد سے اس دریدہ دہنی کی پرزور تردید کی کہ امام عالی مقام نے خلیفۂ وقت کے خلاف بغاوت کی تھی۔ انھوں نے اپنی تقریر میں اس بات پر زور دیا کہ حسینی کردار عزت کے ساتھ جینا ہے اور عزت کے ساتھ مرنا ہے۔ صدام حسین نے حسینی کردار کے ساتھ پھانسی کو گلے سے لگا لیا، مگر اسی سرزمین پر یزیدی افکار ونظریات کے حامل بش کو جوتوں سے مار کر رسوا کیا گیا۔ آپ نے فلسطین میں ہو رہے ظلم وزیادتی کے خلاف بھی آواز بلند کی اور کہا کہ آج پھر فلسطین کی سرزمین کربلا کا منظر پیش کر رہی ہے اور اسرائیلی دہشت گردی کے خلاف حسینیوں کو آواز دے رہی ہے۔

مولانا جلال الدین نوری نے طلبہ سے ناصحانہ انداز میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آج جس طرح تحریر وقلم کی ضرورت ہے، طلبہ کے لیے تقریر وخطابت بھی ناگزیر ہے۔ آپ نے محرم کی غیر شرعی رسوم سے باز رہنے اور حسینی کردار وعمل کو اپنانے پر زور دیا۔

مولانا عبد المبین نعمانی نے اپنے خطاب میں کہا کہ کربلا کی تاریخ سے جو سب سے اہم سبق ملتا ہے وہ نماز کا ہے، اس لیے حسین کے شیدائیوں کے لیے سب سے ضروری نماز ہے، نماز سے غافل رہنا حسینیوں کا عمل نہیں بلکہ تاریخ میں سب سے پہلے بے نمازی کا نام یزید ہے۔

نظامت کے فرائض مولانا قیصر اعظمی مصباحی انجام دے رہے تھے۔ اس اجلاس میں کثیر تعداد میں علمائے کرام شریک تھے۔ اہم شرکا میں مفتی محمد نسیم مصباحی، مولانا نفیس احمد مصباحی، مولانا محمد ہارون مصباحی، مولانا نثار احمد مصباحی، مولانا آزاد مصباحی، مولانا محمد رضا، مولانا قاسم مصباحی، مولانا رفیق الاسلام، مولانا شہاب الدین باندوی، مولانا محمد اسرائیل وغیرہ کے اسما قابل ذکر ہیں۔ **از: شہاب الدین مصباحی**

جامعہ عربیہ انوار القرآن بلرام پور میں جلسہ

30/نومبر و یکم دسمبر 2008ء کو جامعہ عربیہ بلرام پور کا سالانہ جلسۂ دستارِ فضیلت وعرس حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان منعقد ہوا، جس میں مشاہیر علمائے کرام مشائخ و دانشور حضرات نے شرکت کی۔ 30 نومبر کو بعد نمازِ عشا طلبائے جامعہ کا پروگرام ہوا بعدہ جلسۂ دستارِ فضیلت کا آغاز حافظ لیاقت علی کی تلاوتِ قرآن کریم سے ہوا۔ پھر حافظ زاہد علی بلرام پوری نے بارگاہِ رسالت میں ہدیۂ نعت پیش کیا۔ اس کے بعد مفتی بدر عالم مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ اور مفتی عبد السلام قادری نے جامع خطاب فرمایا۔ عسجد رضا اور دانش بلرام پوری نے نعت شریف پیش کی۔ اس کے بعد زبان وقلم کے دھنی فخر صحافت حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی مدیر اعلیٰ ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور نے جدت وندرت

بھرے اسلوب میں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جام پلایا اور فکر انگیز جامع اور پر مغز خطاب فرمایا۔ بعد ازاں مولانا غلام ربانی الہ آبادی نے دانائے غیوب صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم غیبیہ کے اثبات پر احادیث کریمہ کی روشنی میں بصیرت افروز خطاب فرمایا۔ صلاۃ و سلام اور حضور عزیز ملت دامت برکاتہم العالیہ کی دعا پر جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

یکم دسمبر کو تلاوت کلام ربانی سے قاری لیاقت علی نے جلسہ کا افتتاح کیا اور طلبہ نے اپنے پروگرام پیش کیے۔ نقیب جلسہ آصف رضا سیفی کی دعوت پر قاری اقرار احمد برکاتی، زاہد بلرام پوری اور حافظ حشمت علی نے نعت شریف پیش کی۔ مفتی بدر عالم صاحب نے احقاق حق اور ابطال باطل پر خطاب فرمایا۔ بعدہ جمیل خیر آبادی نے نعت پیش کی۔ ناظم اجلاس کی دعوت پر الفاظ و معانی کا رنگا رنگ گلدستہ لیے نازشِ صحافت مفکر اسلام حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی صاحب نے بصیرت افروز خطاب سے سامعین کو شادکام فرمایا۔ گیارہ بج کر 55 منٹ پر قل شریف و فاتحہ خوانی ہوئی۔ بعد قل شریف حسان الہند پدم شری بیکل اتساہی صاحب نگرانِ اعلیٰ جامعہ انوار القرآن نے شرکائے اجلاس علما و شعرا خصوصاً چراغِ خانوادۂ مارہرہ مطہرہ حضور نجیب حیدر میاں مدظلہ العالی اور پیر طریقت حضور عزیز ملت علامہ شاہ الحاج عبد الحفیظ صاحب قبلہ دامت برکاتہم النورانیہ سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور اور دیگر علمائے کرام کا خیر مقدم و استقبال کیا اور ایک ایک شال و گلہار پیش کیا۔ حاضرینِ محفل سے جامعہ کو مزید ترقی و عروج پر پہنچانے کی گزارش کی اور نعت نبی گنگنا کر ماحول کو اور بھی پرکشش بنا دیا۔ مرکز نظر حضور نجیب حیدر میاں صاحب نے اپنے پر مغز باثر اور انمول کلام سے سامعین کے قلوب و اذہان کی تطہیر فرمائی اور معطر و معنبر کلمات خیر سے پوری محفل کو مشک بار کر دیا۔ احساسات و جذبات کی پاکیزگی، تعلیم و تربیت، ادب و تہذیب، اولیا سے وابستگی اور اعلیٰ حضرت سے محبت جیسے عنوان پر روشنی ڈالتے ہوئے ایمانی تشخص و تقدس کی بقا کے ساتھ تمام اہل سنت کو ایک رہنے کی دعوت دی۔ مولانا غلام محی الدین سبحانی نے بھی خطاب فرمایا۔ اخیر میں مولانا شریف الحسن کلکتہ نے مختصر مگر کامیاب خطاب فرمایا۔ بعدہ حضرت عزیز ملت اور دیگر علما کے ہاتھوں فارغین کے سروں پر دستار بندی ہوئی اور طلبہ کو انعامات سے سرفراز کیا گیا۔ جامعہ کے شیخ الحدیث مفتی محمد مسیح قادری مصباحی نے علما و مشائخ اور عوام کا شکریہ ادا کیا۔ جلسہ میں مفتی حبیب اللہ نعیمی، قاری محمد شفیق، مولانا محمد عمر شریفی، ڈاکٹر محب الحق، مولانا غلام حسین اشرفی، قاری ذاکر علی، قاری محمد احمد بقائی، مولانا سید افضال گونڈوی، مولانا بیت اللہ اور دیگر علمائے کرام نے شرکت کی۔

از: محمد جسیم احمد قادری مصباحی

(ص:33 کا بقیہ) انچارج اسلامیہ اسپتال، مولانا شکیل کی وفات کے سلسلے میں میڈیکل رپورٹ بنا رہے تھے۔ مولانا مرحوم کا آخری دیدار کیا، لگ رہا تھا کہ سو رہے ہیں اور ابھی اٹھ بیٹھیں گے۔ چہرے پر خوب رونق تھی جو مرحوم کی نیک کرداری اور حسن خاتمہ کا پتہ دے رہی تھی۔ میں اپنی کھلی آنکھوں سے اس جواں مرگی کا عالم دیکھ رہا تھا اور مجھے رہ رہ کر وامق جون پوری کا یہ شعر یاد آ رہا تھا۔

زندگی بھر نہ ہوئی جن کی رفاقت محسوس
مر گئے وہ تو بھلائے نہیں جاتے ہم سے

دل حزن و ملال کے سانچے میں ڈھل رہا تھا، آنکھیں بار بار نم ہو رہی تھیں، سینے میں ایک خلا سا محسوس ہو رہا تھا، اتنی جلدی ان کے چلے جانے کا دکھ دل و دماغ کو کچوکے لگا رہا تھا۔ اس حادثے نے بدن کی تمام توانائیاں سلب کر لی تھیں لیکن ایسے میں کرپال سنگھ بیدار کی نظم "پیامِ شکیب" مجھے حوصلہ دے رہی تھی، جس میں شاعر نے موت کو انسانی حیات کی تکمیل بتایا ہے۔ درج ذیل سطور میں یہ نظم پیش ہے، یہ نظم میرے لیے ہی نہیں بلکہ مولانا مرحوم کے تمام پس ماندگان اور احباب و متعلقین کے لیے سامانِ راحت کی حیثیت رکھتی ہے۔

اے رفیقِ زندگی کی موت کے ماتم نصیب
آہ! تیری راحتیں خوابِ پریشاں ہو گئیں
جن امنگوں سے تری ہستی نشاط آہنگ تھی
وہ امنگیں نالہ و شیون کا ساماں ہو گئیں
ہو گئی پامال عہدِ شادمانی کی بہار
بجھ گیا دل، آرزوئیں داغِ حرماں ہو گئیں
فتنۂ تقدیر آخر رونما ہو کر رہا
بے نوا انساں گرفتارِ قضا ہو کر رہا
لیکن اے ہمدم! یہ جائے اشک افشانی نہیں
موت کی آندھی سے کب بجھتی ہے قندیلِ حیات
مر نہیں جاتا فقط کروٹ بدلتا ہے بشر
ہے حیاتِ نو کی اک تشکیل تحلیلِ حیات
طے کیے جاتی ہے دنیا ارتقائی مرحلے
موت کے ہاتھوں ہوئی جاتی ہے تکمیلِ حیات
ختم ہوتا ہی نہیں دورِ زمانِ زندگی
جاوداں گرمِ سفر ہے کاروانِ زندگی

R.N.I. No. 29292/76
Regd. No.: AZM/N.P.28
THE ASHRAFIA MONTHLY
Mubarakpur, Azamgarh (U.P.) - 276404 (INDIA) Phone: (05462) 250092, 250149, Fax: 251448
http://www.aljamiatulashrafia.org
E-mail: info@aljamiatulashrafia.org